سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔

2006ء

ارسلان بک کارپوریشن

نام کتاب ——— اکیلا

مصنف ——— آشنا قبان احمد

کمپوزنگ ——— سید اویس قرنی جنگی سٹریٹ قصہ خوانی پشاور

مطبع ——— آصف یٰسین پریس، لاہور

تعداد ——— 600

قیمت ——— -/150 روپے

اسٹاکسٹ

طیبہ بکسٹال پبلشرز اینڈ بک سیلرز

الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان

Ph.7320318
0301-4072442

انتساب

اپنے

اکلوتے بیٹے

خرم

کے نام

جو مجھے

اپنی جان سے زیادہ

عزیز ہے

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔

2006ء

ارسلان بک کارپوریشن

نام کتاب .... اکیلا

مصنفہ .... آشنا اقبال احمد

کمپوزنگ .... سید اویس قرنی جنگی سٹریٹ قصہ خوانی پشاور

مطبع .... آصف یسین پریس، لاہور

تعداد 600

قیمت .... -/150 روپے

اسٹاکسٹ

طیبہ بکسٹال پبلشرز اینڈ بک سیلرز

Ph.7320318
0301-4072442

المعراج سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان

انتساب

اپنے

اکلوتے بیٹے

خرم

کے نام

جو مجھے

اپنی جان سے زیادہ

عزیز ہے

"آپ اپنی سوتیلی بہن کے قتل کے الزام سے بری ہوگئے ہیں آپ کیسا محسوس کررہے ہیں؟"

"آپ یورپ سے آئے، آتے ہی اپنے والد کا وصیت نامہ دیکھنے کے دو دن بعد ہی آپکی بہن سمینہ کا قتل ہوا۔اس میں کس کا ہاتھ ہوسکتا ہے؟"

"آپ اس ملک کے نامی گرامی شخصیت ہیں کیا یہ قتل کا الزام آپکی شہرت کو بدنام کرنے کی سازش تو نہیں؟"

کورٹ سے باہر نکل کر صحافیوں اور لوگوں کے ہجوم کو چیرتا وہ اپنی بڑی سی سیاہ قیمتی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔کیمروں کی چکا چوند میں اس سے مختلف سوالات پوچھے جارہے تھے۔

اسکے چہرے پر تھکن تھی، الجھن تھی، بیزاری تھی۔

"کیا آپ نے واقعی یہ قتل نہیں کیا؟" یہ ایک نسوانی آواز تھی۔طنز اور حقارت لئے۔"کیا واقعی آپ بے گناہ ہیں یا آپکی بے پناہ دولت آپکو بے گناہ ثابت کرنے میں معاون ہوئی ہے؟"

اسکا شوفر اس کیلئے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولے اسکا منتظر کھڑا تھا۔

"آپکی چپ کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ قتل آپ نے ہی کیا ہے"۔وہی آواز تھی۔ زہر اگلتے ہوئے گاڑی تک اسکا پیچھا کررہی تھی۔

اور وہ شاید مزید برداشت نہ کرسکا۔اس کی طرف دیکھے بغیر ہی اسے بازو سے پرے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ کر گاڑی میں جا بیٹھا۔

پیچ و تاب کھاتی دھنک اسکی گاڑی کے پیچھے لگے نمبر پلیٹ کو تکتی رہ گئی۔

کئی مہینے سے وہ اس کیس کی کاروائی نوٹ کررہی تھی۔بلکہ وہ خود ہر دفعہ کورٹ جاتی

وہم گماں سے دور دور یقین کی حد کے پاس پاس
دل کو بھرم یہ ہوگیا اُن کو ہم سے پیار ہے

اسے پورا یقین تھا وہی قاتل تھا۔ باپ کے وصیت نامے کے مطابق کروڑوں اربوں کی املاک میں وہ اپنی سوتیلی بہن کو شریک نہ دیکھ سکا تھا۔ دو ہی دن بعد اسے قتل کر دیا۔ چاقو سے۔ یہ الگ بات تھی کہ اسکے فنگر پرنٹس چاقو پر موجود نہیں تھے۔ اتنا بیوقوف وہ لگ بھی نہیں رہا تھا کہ پرنٹس چھوڑتا۔

لمبے قد، چوڑے شانے، پرکشش نقوش اور ذہین آنکھوں والے تیس بتیس سالہ اس شخص سے اسے نفرت ہو گئی تھی۔ کسی کی زندگی کی اسکی نظروں میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا اسکی دولت قانون کو خرید لے گی۔

وہ ایک جرنلسٹ تھی۔ ایک ہفتہ وار میگزین 'آئینہ' کی رپورٹر تھی۔ جو اپنی صاف ستھری صحافت اور دلچسپ اشاعت کیلئے مشہور تھا۔

تھکے تھکے سے قدم اٹھاتی کندھے سے بیگ لٹکائے وہ بس سٹاپ پر آ کھڑی ہوئی۔

وہ ایک عزت دار گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ والد دوسرے شہر میں یونیورسٹی میں انگلش ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین تھے۔ والدہ بھی وہیں سائیکولوجی کی پروفیسر تھیں۔ دو بہنیں اور تھیں۔ ابھی پڑھ رہی تھیں۔ ایک بی اے کے آخری سال میں دوسری ایف اے کر چکی تھی۔ بھائی کوئی نہیں تھا۔ دھنک خود یہاں ایک لڑکی فرزانہ کیساتھ ایک چھوٹے سے صاف ستھرے دو بیڈ روم کے فلیٹ میں رہ رہی تھی۔ فرزانہ مقامی کالج میں لیکچرر تھی۔ اچھی لڑکی تھی۔ دونوں میں خاصی بے تکلفی تھی۔

سوچوں میں کھوئی وہ بس میں جا بیٹھی۔ یہ بس سیدھی ان فلیٹس کے آگے سے گزرتی تھی جہاں دھنک قیام پذیر تھی۔ گیٹ پر اتر کر وہ جلدی جلدی فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ فرزانہ ابھی نہیں آئی تھی۔ کچن میں ہی چند نوالے لے کر وہ اپنے بیڈ روم میں آئی اور بستر پر پڑ رہی۔ آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کی مگر ـــ بے سود۔ وہ رہ رہ کر اسکے ذہن میں کورٹ کی آج کی کارروائی گھوم رہی تھی۔

جج نے مسٹر عالم کو کوئی ٹھوس ثبوت نہ ملنے پر بری کر دیا تھا۔ ہونہہ اس نے کروٹ بدلی۔ ثبوت ٹھوس نہ سہی، مسٹر فخر عالم کی بے پناہ دولت ضرور ٹھوس تھی۔ جس نے قانون تک کو خرید لیا تھا۔

اگلے روز وہ اپنی معمول کی ڈیوٹی میں مگن تھی۔ ڈیسک پر بیٹھی ایک رپورٹ کے کاغذات کو ترتیب دے رہی تھی۔ کہ اسکا ساتھی رپورٹر آصف آ پہنچا۔

"ہیلو دھنک۔" وہ خوشدلی سے بولا۔

"ہیلو۔" اسکی نظریں اب بھی کاغذات پر تھیں۔

"کچھ پتہ بھی ہے تمہارا دشمن کوچ کر گیا ہے اس شہر سے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"مسٹر فخر عالم کل شام اپنا یہاں والا پیلس چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں کہیں چلا گیا ہے...."

"کہیں چلا گیا ہے؟" اسکی آواز میں حیرت تھی، پہلی پہلی آنکھیں شکوک کی غماز۔

"ہاں۔" لاپروائی سے کہتا ڈیسک پر بیٹھتے ہوئے وہ اپنا بیگ کھولنے لگا۔

"آصف۔"

"ہوں۔" اسکی نظریں اپنے کام پر تھیں۔

"مسٹر فخر عالم گیا نہیں، فرار ہوا ہے۔" وہ پورے وثوق سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"کورٹ میں وہ بری ضرور ہوا ہے۔ مگر کورٹ سے باہر سب کا ایک ہی ردعمل تھا۔ ایک ہی بات تھی ہر زبان پر...."

"کیا؟" وہ اب بھی کوئی خاص توجہ نہیں دے رہا تھا اسکی بات کو۔

"یہی کہ اپنی بہن کا قتل اسی نے کیا ہے۔ پیسے کی بدولت چھوٹ گیا ہے۔"

"تو ہونے دو۔ ہمیں کیا۔"

"نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔"

"تو پھر کیا ہوگا؟" وہ مسکرایا۔

"اسے اندر ہونا چاہیے۔ پھانسی لگنی چاہیے یا عمر قید۔ گل سڑ جائے جیل کے اندر ہی۔" وہ حقارت سے کہہ رہی تھی۔

"تم کیوں اسکے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہو۔ کورٹ نے فیصلہ دے دیا بس دے دیا۔ ضروری ہے بہن قتل ہوئی تو بھائی بھی ختم ہو۔ کہاں کا انصاف ہے یہ۔" وہ اسے چڑاتے ہوئے بولا۔

"انصاف!" وہ جیسے خود سے بولی۔ "انصاف تو ہونا ہی چاہیے۔" اس نے اپنے کاغذ تہہ کیے، بیگ میں رکھے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"کام ہے ذرا۔"

وہ سیدھی ادھیڑ عمر چیف ایڈیٹر اشفاق صاحب کے آفس میں آ گئی۔ اشفاق صاحب اور دھنک کے ابو ریاض احمد پڑھائی کے دوران ایک ہی ہوسٹل میں رہتے تھے۔ بڑی دوستی تھی آپس میں۔ بعد میں اشفاق صاحب نے صحافت سنبھال لی اور اسکے ابو کالج میں لیکچرر ہو گئے۔ وقت گزرتا رہا۔ دونوں گو تھے الگ الگ شہروں میں مگر دوستی میں فرق نہیں آیا۔ اب بھی آتے جاتے تھے۔ اب بھی ملنا جلنا تھا۔ بلکہ اشفاق صاحب کے ہی سہارے تو انہوں نے دھنک کو جرنلسٹ بننے اور انکے پاس کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ ورنہ نہ ابو اس پیشے کے حق میں تھے اور نہ ہی اشفاق صاحب۔

ابو تو اسکی ضد کے آگے مجبور ہو گئے۔ مگر اشفاق صاحب اکثر مشورہ دیتے۔

"میری مانو بیٹی تو گھر بسا لو اپنا۔ شادی کر لو۔ یہ جان جوکھوں کے کام تمہارے بس کے نہیں۔"

وہ بہت خوبصورت تھی۔ عمر کے اس حصے میں تھی جہاں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا

پڑتا ہے۔ معزز اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ باپ کا دوست ہونے کے ناطے انہیں اسکی فکر بہر حال رہتی تھی۔ صحافت میں کہاں کہاں بھٹکنا پڑتا تھا۔ کسی کو سنائیں تو کسی کی سننی بھی پڑتی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دھنک کسی غلط تجربے سے دوچار ہو۔

"کیا بات ہے بیٹا"۔ اشفاق صاحب اسے متفکر سا دیکھ کر خود ہی گویا ہوئے۔

"انکل... سنا ہے مسٹر فخر عالم یہاں سے کہیں اور چلا گیا ہے..."

"وہی۔ اس مرڈر کیس والا؟"

"جی"۔ اس نے قدرے توقف کیا۔ "وہ جب سے یورپ سے آیا تھا۔ یہیں رہ رہا تھا۔ بہت بڑا کاروبار ہے اسکا یہاں۔ یوں اچانک راتوں رات بغیر کسی کو پتہ چلے چل دینا کیا گلٹ کی نشاندہی نہیں کرتا؟"

"تو؟" وہ اب بھی اُسکے کام میں دلچسپی لینے اور معرکہ آرائی کے شوق پر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولے۔

وہ چند ثانیے کچھ سوچتی رہی۔ پھر آہستہ سے سر اٹھایا۔

"انکل میں اس آدمی کا پتہ لگانا چاہتی ہوں۔ میں ___ اور پھر تقریباً سبھی لوگ اس کیس کے فیصلے سے مطمئن نہیں۔ اسکا یوں آسانی سے بری ہو جانا سب کو عجیب لگ رہا ہے اور ___ میرے لئے تو ___ ایک چیلنج ہے جیسے"۔

انکل آہستہ سے مسکرا دیئے۔

"بیٹی یہ کام اتنا آسان نہیں۔ پچھلے کئی مہینوں سے ہم لوگوں نے کتنی کوشش کی اسکا انٹرویو لینے کی۔ مگر صاف جواب مل جاتا تھا کہ وہ کسی کو انٹرویو نہیں دیگا..."

"میں کرونگی اسکا انٹرویو"۔ وہ انکی بات کاٹتے ہوئے عجلت سے بولی۔ اسے یقین تھا مسٹر فخر عالم نے اسے دیکھا نہیں تھا۔

"مشکل ہے"۔

"تو انکل یہ مشکل کام آخر کون کریگا"۔ وہ الجھ سی گئی۔

"پولیس۔ قانون کا کام ہے یہ"۔

"صرف پولیس یا قانون کا نہیں ہمارا بھی ہے۔ باہر کے ممالک میں تو رپورٹر بعض وقت پولیس سے زیادہ سرگرمی دکھاتے ہیں۔ زیادہ کھوج میں رہتے ہیں بلکہ پولیس ناکام ہو جاتی ہے اور پریس کامیاب رہتی ہے۔ پریس، پولیس، قانون سب کو مل کر کام کرنا چاہیئے۔ پریس کا تعاون تو بہت Count کرتا ہے..."

"اچھا بابا اچھا"۔ وہ لاجواب سے ہو گئے۔ "لیکن ___ کسی میل جرنلسٹ پر چھوڑ دو یہ کام"۔ انہوں نے مشورہ دیا۔

"میل جرنلسٹس کیا مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں"۔ اسے انکی بات سے اتفاق نہیں تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے"۔

وہ اسکی ذہانت، اسکی قابلیت کے قائل تھے۔ وہ جینیس تھی وہ جانتے تھے۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے اسے جو بھی اسائنمنٹ ملی تھی، نہایت خوبی سے انجام دی تھی۔ News sense تھا اس میں۔ ایکٹیو تھی مگر ___

پچھلے دنوں اسکے ابو اسے ملے تھے تو ایک بار پھر انہوں نے انہیں دھنک کو شادی پر مائل کرنے کا کہا تھا۔ جرنلزم اسکا شوق تھا پڑھ چکی تھی مگر وہ اسکی جاب کے خلاف تھے۔ وہ ٹیچنگ وغیرہ کرتی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مگر یہ کام ___ وہ پرانے خیالات کے آدمی تھے۔ کسی طرح دل نہیں مانتا تھا۔ پھر وہ لڑکی کی بروقت شادی کے حق میں تھے۔ آجکل اس کے رشتے بھی آرہے تھے۔ بعد میں شاید ایسا نہ ہوتا۔ دو بہنیں اور بھی تھیں، جوان تھیں وہ بھی۔ دھنک کی شادی ہو جاتی تو ان کیلئے بھی رستہ کھل جاتا۔

"بیٹی۔ میری مانو تو شادی کر لو۔ تمہارے ابو کی بھی یہی خواہش ہے"۔ وہ ایک فائل پر نظریں جمائے آہستہ سے بولے۔

وہ چھپی بچھی نظر آنے لگی۔

"شادی کیلئے کافی وقت پڑا ہے انکل"۔ وہ کچھ جھنجھلائی سی بولی۔

"یہی تو وقت نکلا جا رہا ہے"۔ وہ ناصحانہ انداز میں بولے۔

"اچھا آپ یہ تو کام کر لینے دیں۔ اسکی تو اجازت دے دیں۔ پھر دیکھا جائیگا..."

"یہ بہت مشکل کام ہے۔ بہت جان جوکھوں والا۔ تم کہاں کہاں بھٹکو گی۔ کل کو خدانخواستہ کوئی بات ہوئی تو ریاض احمد کو کیا جواب دونگا..."

"کچھ نہیں ہوگا انکل"۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو"۔ وہ مسکرائے۔

"اچھا چلیں۔ کوئی مشکل پیش آئی تو واپس آ جاؤنگی۔ اور پھر میں یہاں پروگریس رپورٹ بھی تو دیتی رہونگی"۔

اشفاق صاحب نے گہری سانس لی۔ جیسے ہار مان لی ہو۔

"ٹھیک ہے۔ میں چیف رپورٹر سے بات کرتا ہوں۔ تم ان سے ملتے ہوئے جانا۔ وہ تمہارے وہاں جانے اور ٹی اے ڈی اے وغیرہ کا بندوبست کر دینگے۔ اور ہاں۔ یہ تو بتاؤ اسکا پتہ کیسے چلاؤ گی۔ کہاں گیا ہے؟ کس طرف نکلا ہے؟ تم کس چیز سے سفر کرو گی؟" انہوں نے پریشانی سے سر ہلایا۔ "مشکل میں ڈال دیا ہے تم نے۔ ہمارے ملک میں فیمیل صحافت ابھی اتنی ایڈوانس نہیں ہوئی... کہ اکیلے میں گھومتی پھریں"۔ وہ قدرے رکے۔ "تم ایسا کرو آصف کو ساتھ لے لو"۔ انہوں نے فون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ اتنی چھوٹی موئی بھی نہیں تھی۔ کہ اکیلے سفر نہ کر پاتی۔ وہ آصف کو بالکل ساتھ نہیں لے گی۔ وہ تو پہلے ہی اس بات کے خلاف تھا۔ بلکہ سرے سے مسٹر فخر عالم کو مجرم گردانتا ہی نہیں تھا۔ کوئی بہانہ کر کے وہ آصف کو پیچھے چھوڑ جائیگی۔ آصف نے رکاوٹ ہی بننا تھا اور کچھ نہیں۔

"ٹھیک ہے انکل۔ سو نائس آف یو۔ تھینک یو"۔

اور — آفس سے نکل کر چیف رپورٹر کے دفتر کی طرف بڑھی۔

خوش ذوقی سے سجے اپنے ننھے سے آرام دہ فلیٹ میں آ کر اس نے اپنا ہینڈ بیگ الماری

میں لٹکایا، کپڑے تبدیل کئے، فرج سے کھانا نکال کر گرم کیا، فرزانہ کا انتظار کئے بغیر ہی کھانا کھایا اور تھکی تھکی سی بستر پر لیٹ رہی۔

آنکھیں موندتے ہوئے وہ اس مہم کے مختلف پہلوؤں پر سوچنے لگی۔

فخر عالم کا گھر جسے وہ طنزیہ لہجے میں اسکا محل کہا کرتی تھی اسے معلوم تھا۔ شہر کے مضافات میں بنا اسکا گھر واقعی کسی محل سے مشابہ تھا۔ سب سے پہلے تو وہ وہاں جائیگی۔ کسی بھی طرح معلوم کریگی کہ وہ کہاں گیا ہے۔ اگر وہ چھپ کر گیا ہوگا تو وہاں موجود نوکروں کو بھی ظاہر ہے نہیں بتایا ہوگا۔ بہرحال — وہ ہر ممکن کوشش کریگی اس مسئلے کو سلجھانے کی!

کسی خوش آئند تصور سے اسکی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ وہ دن کتنا خوبصورت ہوگا جب وہ مسٹر فخر عالم کو بے نقاب کرے گی۔ پبلک کو دھماکہ خیز انکشاف مہیا کریگی اور — اور اسکا کتنا نام ہوگا!

اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ شام کے چار بج رہے تھے۔ سردیوں کا آغاز تھا۔ دن گھٹنے لگے تھے۔ وہ فوراً اٹھی۔ وہ وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ ہی مسٹر فخر عالم کے سراغ میں تھی۔ ہوسکتا تھا کسی اور اخبار کسی اور میگزین کا رپورٹر بھی اسی کوشش میں لگا ہو۔ اور یہ — اس نے ہرگز ہرگز نہیں ہونے دینا تھا۔

اس نے الماری میں سے ہینگر میں لٹکا اپنا ڈل گرین پر سفید سفید پھولوں والا ڈریس نکال کر پہنا۔ ڈل گرین ہی دوپٹہ گلے میں ڈالا۔ کمر کو چھوتے اپنے گھنے سٹریٹ ہنی براؤن بالوں میں برش کیا۔ لیدر کے بج شوز پہنے اور ہینڈ بیگ کندھے سے لٹکاتی فلیٹ کو تالا لگا کر جلدی جلدی سیڑھیاں اترنے لگی۔

شام سیندوری ہو رہی تھی، ہوا یخ بستہ، تھکا تھکا یا سورج دن بھر کی مسافت کے بعد دور پہاڑ کے اس پار پناہ ڈھونڈنے جا رہا تھا اور — شام کیساتھ کائنات کا ذرہ ذرہ سیندوری رنگ میں رنگا جا رہا تھا۔

ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے وہ آگے بڑھی۔

سفید سنگ مرمر سے مزین وسیع و عریض کوٹھی، اسکی محرابیں، اونچے اونچے مرمریں ستون اور گہرے سرخ پھولوں سے لدی بالکنیاں واقعی کسی محل کا نمونہ تھیں۔

گیٹ پر کھڑے مسلح چوکیدار نے اسے آسانی سے اندر جانے دیا۔ تا حد نظر پھیلے وسیع مخملیں لان، موسمی پھولوں سے آراستہ رنگ برنگی کیاریاں، نایاب گلابوں کے تختے، جا بجا تنا آور سرو سے لپٹی سرخ اور سفید ننھے ننھے پھولوں کی بیلیں۔

قریب کے گملے میں لگی Kiss Me Quick کی کانٹے دار شاخیں اور ہر شاخ کے سرے پر لگے دو دو پتیوں والے چار چار سرخ پھولوں کے جھرمٹ کو تکتی محظوظ ہوتی وہ آگے بڑھ رہی تھی۔

پھر جیسے وہ چونکی۔ وہ ان نظاروں سے لطف اندوز ہونے نہیں مسز فخر عالم کا پتہ کرنے آئی تھی۔

یکدم ہی اسکے قدم تیز ہو گئے۔ متلاشی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔

"میں آپکی کوئی مدد کر سکتا ہوں"۔ جیسے کوئی خاص ملازم تھا، پاس آ کر مؤدب طریق سے بولا۔

"مسز فخر عالم گھر پر ہیں؟" وہ جانتے ہوئے بھی پوچھنے لگی۔ شاید نوکروں کا رد عمل دیکھنا چاہتی تھی۔

"جی نہیں۔ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں"۔ اس کا لہجہ کسی بھی جذبے سے عاری تھا۔

"کہاں گئے ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم"۔

"کسی اور ملازم کو بتا کر گئے ہیں"۔

"شاید نہیں۔ ورنہ مجھے ضرور بتا کر جاتے"۔ وہ یقیناً ملازم خاص تھا۔ جو اتنے وثوق سے کہہ رہا تھا۔

دھنک کے شکوک یقین میں بدلنے لگے۔ اگر وہ فرار نہیں ہوا تھا تو اپنے ملازم خاص کو بتا کر جاتا۔

"جب کہیں جاتے ہیں تو آپکو بتا کر جاتے ہیں؟" وہ خالص رپورٹروں والے انداز میں اپنے یقین کے تصدیق کیلئے پوچھنے لگی۔

"جی ہاں"۔ وہ مختصراً بولا۔

اور ـــ دور سے اسے مرمریں ستونوں والے محرابی برآمدے میں سے گزرتی ایک ادھیڑ عمر عورت دکھائی دی۔

صاف ستھرے کپڑے پہنے، بالوں کا جوڑا بنائے سر پر سفید شفاف دوپٹہ لئے، یہ خاتون ہی شاید اسے کچھ بتا پاتی۔

دھنک آگے بڑھی۔

اور ملازم خاص ایک نظر اسے دیکھتا، دھیرے سے مسکراتا دوسری طرف چل دیا۔ اسکی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اسے اپنے مالک کے متعلق معلوم تھا کہ وہ کہاں گیا تھا مگر بتا نہیں رہا تھا۔ جیسے اسے نہ بتانے کی تاکید کی گئی تھی۔

"آداب"۔ جانے کیوں دھنک کو یہ خاتون اچھی سی لگیں۔

اسکے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ اپنا نظر کا چشمہ اتار کر اسے سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے دوبارہ چشمہ پہننے لگیں۔

"آؤ بیٹی اندر آؤ"۔ وہ بہت شفقت سے کہنے لگیں۔

"شکریہ آنٹی۔ مگر میں اندر نہیں آسکوں گی مجھے دیر ہو رہی ہے۔ میں نے... مسز فخر عالم کا پتہ کرنا تھا کہ وہ کہاں گئے ہیں"۔

اور فخر عالم کی ہاؤس کیپر ـــ ایک بار پھر اسے سر سے پاؤں تک پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرانے لگیں۔

"اچھا تو وہ تم ہو جس کیساتھ وہ فون پر کتنی کتنی دیر باتیں کرتا رہتا ہے۔ اچھا ہوا بیٹی تم خود

[illegible] مسٹر فخر عالم سے بھی [illegible]

[illegible] تھے!

[illegible]

[illegible] تو بتیں گی [illegible] پریشان بھی [illegible] باتونی لگ رہی تھی۔

اور۔۔۔ شام کے [illegible] گئے تھے۔

"کہاں گئے ہیں؟" وہ پھر بولی۔

"اپنے اسٹیٹ پر گیا ہے اپنے جنگلات پر۔ کہتا تھا دشمنوں کے رنگ چھٹ جائیں [illegible] کی اگر اور یہاں رہا تو۔ سکون کی تلاش میں گیا ہے وہاں"۔

اوہ۔۔۔ سکون یا فرار! اس نے تلخی سے سوچا۔

"مگر تم بھی کسی کو مت بتانا۔ اچھا ہے کچھ دن وہاں آرام سے رہے"۔

"جی نہیں۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی"۔ اتنی جلدی اپنا مقصد پا لینے پر وہ فوراً بولی۔

"آپ مجھے ان کا پتہ بتائیں گی ان کے اسٹیٹ اور جنگلات کا؟" اس نے کندھے سے لٹکے اپنے بیگ میں سے اپنی نوٹ بک اور پین نکالتے ہوئے کہا۔

مسٹر فخر عالم کی ہاؤس کیپر نے بڑے خلوص سے اسے تمام پتہ تفصیل سے بتا دیا۔

"بہت بہت شکریہ آنٹی اب چلتی ہوں دیر ہو رہی ہے"۔

"[illegible] جاؤ خدا حافظ"۔ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ

پھیرا۔

"خدا حافظ"۔ دھنک نے بھی کہا اور۔۔۔ واپس گیٹ کی طرف مڑی۔

فلیٹ پر آ کر اس نے جلدی جلدی بیگ میں دو جوڑے کپڑے، نائٹ سوٹ، جیکٹ، چھوٹا ساٹیپ ریکارڈر، پیڈ پین، پینٹنگ کے برش، پینٹس، غرض ہر ضروری چیز ڈالی۔ بیگ کندھے سے لٹکایا، اور بازو پر ہلکا سا کمبل لیتے ہوئے اپنی ساتھی فرزانہ کو ضروری کام سے اپنے گھر جانے کا بہانہ بناتے ہوئے تیزی سے فلیٹ سے اتر آئی۔

فٹ پاتھ پر چلتے چلتے اس نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ٹرین چھوٹنے میں صرف چالیس منٹ تھے۔ وہ پریشانی سے ادھر ادھر ٹیکسی کی تلاش میں دیکھ رہی تھی۔ ایک خالی رکشہ پاس سے گزر رہا تھا وہ اسی میں بیٹھ گئی۔

"ریلوے سٹیشن"۔ اپنا شولڈر بیگ اور کمبل سیٹ پر رکھتے ہوئے وہ جلدی سے بولی۔ وہ ایک سیکنڈ بھی ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اور ۔۔۔ ٹکٹ خرید کر وہ ٹرین میں چڑھی، اپنا سامان اوپر رکھا اور اپنا ہینڈ بیگ کندھے سے اتار کر اپنے قریب رکھتے ہوئے سیٹ پر بیٹھی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ آج کی پوری رات، کل کا سارا دن اور پھر کل شام کے چھ بجے اس نے وہاں پہنچنا تھا۔

سیٹ کی پشت سے سر ٹیک کر اس نے تھکی تھکی آنکھیں موند لیں۔ بہت سی سوچوں اور اندیشوں کے باوجود اسے یہ اطمینان ضرور تھا کہ جہاں مسٹر فخر عالم کی اسٹیٹ تھی وہیں قریب ہی ایک پہاڑی گاؤں میں اس کی ای کی کلاس فیلو اور دوست ایک پرائمری سکول کی ہیڈ مسٹریس تھیں اور دھنک نے سردست وہیں قیام کرنا تھا۔

اس نے اپنے لئے چائے منگوائی۔ اور گھونٹ گھونٹ کر کے پیتی چلتی ٹرین میں سے باہر تاریکیوں میں گھورتی رہی۔

رات کا کھانا اس نے نہیں کھایا۔ دل نہیں کر رہا تھا۔ ایک گلاس دودھ منگوا کر پیا اور اپنا

کمبل اوپر لیتے ہوئے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

ٹرین سے اس نے قلی سے سامان ٹیکسی میں رکھوایا اور ڈرائیور کو اپنی امی کی دوست آنٹی نورجہان کے گاؤں کا پتہ بتادیا۔

آنٹی کا گاؤں یہاں سے تقریباً بارہ میل پر تھا۔ ٹرین بھی لیٹ پہنچی تھی۔ ٹیکسی کے روانہ ہوتے ہوتے پونے سات ہو رہے تھے۔

موسم بدل چکا تھا۔ بلکہ یہاں تو خاصی سردی تھی۔ دن قدرے چھوٹے اور شامیں تو وہاں بھی یخ بستہ ہو چلی تھیں مگر۔۔۔

یہاں تو جیسے دنیا ہی اور تھی۔ چکردار سڑک کے ایک طرف پانی اور دوسری طرف پہاڑ پر اونچے قدآور درختوں کا تاحد نظر پھیلا جنگل نظر آرہا تھا۔ بلکہ سے سفید بادل درختوں میں تیر رہے تھے اور۔۔۔ گہرائی زیادہ تھی کہ چلنا دشوار ہو رہا تھا۔

شام کی سیاہیاں اترنے لگی تھیں۔ سردی بڑھ گئی تھی اور ٹپ ٹپ بوندیں پڑنے لگی تھیں۔ چوٹی پر پہنچ کر کہیں آنٹی کا چھوٹا سا سکول اور گھر دکھائی دیے۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کرتے ہوئے اس نے سامان اتروایا اور آگے بڑھتے ہوئے لکڑی کے چھوٹے سے برآمدے میں دروازے پر دستک دی۔

وہ پہلے بھی اپنے والدین کیساتھ گرمیاں گزارنے یہاں آچکی تھی، بلکہ کئی بار۔ ہل سٹیشن تھا یہ چھوٹا سا۔ فلیٹ کرائے پر لیکر وہ لوگ سیزن گزارنے اکثر یہاں آتے۔ اور آنٹی اسی گھر میں یہیں رہ رہی تھیں۔ یہ انکا آبائی گاؤں اور آبائی گھر تھا جسے انہوں نے کچھ حصہ اپنے لئے رکھ کر باقی میں سکول لیا تھا۔ شادی کی نہیں تھی اولاد تھی نہیں بس سکول کھول چلا کر ہی اپنے آپکو مصروف رکھا ہوا تھا۔

اتنا پیارا تھا انکا چھوٹا سا یہ گھر اور اتنے خوبصورت تھے اسکے اطراف کہ جی چاہتا تھا
۔یہیں بس جاؤ یہیں رہ جاؤ!

آنٹی اسے بغیر اطلاع کے یوں اچانک دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔

رات کے کھانے کے بعد جو دونوں ایک ہی کمرے میں گرم گرم رضائیوں میں گھس کر
باتوں میں الجھیں تو ایک بج گیا رات کا۔دنیا جہان کی باتیں ہوئیں مگر ___

دھنک نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ یہاں کس مقصد سے آئی تھی۔بس کہا۔تھک گئی تھی
بہت۔چند چھٹیاں لے لیں۔بجائے گھر جانے کے ادھر آنکلی۔کہ اسے آنٹی یاد آرہی تھیں
اور پھر___ ایسے موسم اور ایسے ماحول سے اسے عشق تھا۔لگے ہاتھوں وہ دو ایک پینٹنگز بھی
بنالےگی!

صبح آذان کے وقت اسکی آنکھ کھلی۔ٹھنڈے یخ پانی سے اس نے منہ ہاتھ دھوئے۔اور
نماز کی تیاری کرنے لگی۔

فارغ ہو کر اس نے سفید زمین پر سرخ چیک کی شلوار قمیص پہنی۔لائیٹ براؤن خوبصورت
بالوں میں برش کیا اور سفید جوگرز پہن کر سفید طائم سی جیکٹ پہنتے ہوئے کالر اوپر اٹھایا اور باہر
برآمدے میں آنکلی۔

آنٹی کے مکان پر سورج کی پہلی کرنیں پڑ رہی تھیں۔مگر سامنے دور تک بادلوں کا راج
تھا۔کچھ بھی تو نظر نہیں آرہا تھا۔گہری کھائی، پھر چڑھائی، چیڑ اور صنوبر کے فلک بوس درخت،
جیسے کچھ تھا ہی نہیں یہاں۔ہاں دور اس پار___ ادھر ادھر بر واقع گھروں کی ٹین کی چھتیں ایک
بار پھر دھوپ میں سنہری ہو رہی تھیں۔

قدرت کس قدر جدت پسند واقع ہوئی تھی!

وہ دھیرے سے مسکرادی۔

چند قدم چلتی وہ مشرقی رخ پر برآمدے کے آخری سرے پر آگئی۔یہاں ناہموار ڈھلان
تھی اور نیچے کافی گہرائی پر بہتا مخصوص شور کرتا دریا تھا۔دریا میں چاندی کی طرح چمکتا شفاف
پانی بہہ رہا تھا۔اور جگہ جگہ درختوں کے کٹے ہوئے تنے پانی کے بہاؤ پر چلے جا رہے تھے۔

برآمدے کے لکڑی کے کھمبے سے سر ٹیکے اسکی نظریں دریا کے اس پار اونچائی پر چیڑ، صنوبر
اور گھنے قد آور درختوں پر گئیں۔

یہ___ فخر عالم کے جنگلات تھے۔اور___ اس سے بھی آگے کئی کوسوں پر محیط اسکی
اسٹیٹ تھی۔رات باتوں کے دوران آنٹی نے اسے اپنے مشرقی پڑوسی کے بارے میں بتایا تھا!

اس نے سر جھٹکا۔ سوچوں سے باہر نکلی۔

کہ اس نے کم سے کم وقت میں بہت سارا کام کرنا تھا!

'پچھلے کئی مہینوں سے ہم لوگوں نے کتنی کوشش کی اس کا انٹرویو لینے کی۔ مگر صاف جواب مل جاتا تھا کہ وہ کسی کو انٹرویو نہیں دیگا' اسکے کانوں میں انکل اشفاق کے الفاظ گونجے۔

'میں کرونگی اسکا انٹرویو'۔ اس نے جواب میں کہا تھا لیکن ــــ

اب اس نے آئیڈیا بدل لیا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی۔ کہ انٹرویو کیلئے اسے بھی ٹکا سا جواب مل جاتا تھا۔ سو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تھا۔ کہ بغیر انٹرویو کے ہی اس کے تمام حالات اسے پتہ چل جاتے ــــ کیسے؟

یہ بڑا ٹیڑھا سوال تھا۔ اور ــــ

وقت کم مقابلہ سخت تھا!

"صبح ہی صبح وہ کبھی کبھی گھوڑے پر سوار پانی کے اس پار اپنے جنگل میں گھومتا نظر آتا ہے..." اسے اچانک آنٹی کی بات یاد آئی۔

اور ــــ ہر خیال ذہن سے نکال ــــ وہ اندر آ گئی۔

آنٹی چھوٹے سے کچن میں تخت پر بیٹھیں نماز کے بعد اب بھی دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے دعا مانگ رہی تھیں۔

دھنک اندر کمرے میں گئی۔ جلدی جلدی اپنے بڑے سے ہینڈ بیگ میں ایک جوڑا کپڑے، چند برش، پینٹس، پیڈ پین اور باقی ضروری اشیاء ڈالیں اور کچن میں آ گئی۔

"آنٹی میں چلتی ہوں ذرا۔ دریا اور پار والا جنگل دھوپ کی پہلی کرنوں میں بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔ سوچتی ہوں تصویر بنانا شروع ہی کر دوں"۔ جوگرز پر جھکتے ہوئے ایک بار پھر بندھے ہوئے تسموں کو کسنے لگی کہ سراسر جھوٹ بولتے وقت زبان کچھ ساتھ نہ دے پا رہی تھی۔

"اے بچی ناشتہ تو کرتی جاؤ"۔ دعا ختم کر کے انہوں نے تخت پر بچھے جا نماز کا کونہ موڑا

"آنٹی پھر ماحول کی وہ خوبصورتی نہیں رہے گی"۔

"لو بھلا۔ اچھا یہ گرم گرم چائے کا ایک کپ تو پیتی جاؤ"۔

اور آنٹی کے اصرار پر اس نے چولہے پر رکھی کیتلی سے گرم گرم چائے پیالی میں انڈیل لی۔

"اچھا آنٹی جاتی ہوں اب"۔ جلدی جلدی چائے حلق سے اتارتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اگر دیر ہو گئی تو فکر مت کیجئے گا۔ یہیں گردونواح میں ٹھہری ہونگی کہیں۔ آپکو پتہ ہے تصویر بنانے میں تو کئی کئی دن بھی لگ جاتے ہیں"۔ اس نے دنوں کا خاص طور سے ذکر کیا۔ کیا پتہ اسے کتنا وقت لگ جاتا۔ آنٹی پریشان ہوتیں پھر۔

اور بیچاری آنٹی نے سوچا صحافت تو ویسے بھی لڑکی کو لڑکا بنا دیتی ہے۔ اور پھر اس نام بوائے کو تو تصویریں بنانے کا بھی شوق تھا۔ کہیں رہ بھی لیتی تو اپنی حفاظت آپ کرنا جانتی تھی۔

"جیسے تمہاری مرضی بیٹی۔ مگر کام جلدی ختم کرنے کی کوشش کرنا میں انتظار کرونگی۔ ابھی تو ہم نے ٹھیک سے باتیں بھی نہیں کیں"۔

"اچھا آنٹی"۔ اس نے کہا۔

اور باہر نکل آئی۔ اردگرد نگاہ دوڑائی۔

دور پرلی طرف دریا کی چوڑائی کافی کم اور بڑے بڑے پتھر زیادہ تھے۔ وہ وہیں سے دریا عبور کرے گی۔ پر ــــ

"سنا ہے وہ اپنے علاقے میں کسی اجنبی کو گھسنے نہیں دیتا"۔ آنٹی نے رات یہ بھی تو کہا تھا۔ پھر؟

اور ــــ اسکے ذہن میں جیسے کوندا سا لپکا۔ ترکیب آ ہی گئی دماغ میں۔ لیکن ــــ اگر قسمت یاور ہوئی تو وہ نکلا ہوگا گھڑ سواری پر نا!

تیز تیز قدم اٹھاتی وہ ناہموار سرسبز ڈھلانوں پر چلی جا رہی تھی۔ سفید جوگرز، سفید جیکٹ اور لائیٹ براؤن سٹریٹ بالوں میں سفید ہی ہیر بینڈ اسے بہت معصوم بنائے دے رہے تھے۔ اسکا چہرہ کسی بھی قسم کے میک اپ سے مبرا تھا کہ خدا نے اتنا حسن دے رکھا تھا کہ ضرورت ہی

نہ پڑتی تھی۔

دریا کے تنگ حصے پر پہنچ کر وہ ایک پل کو رکی۔ اوپر نگاہ کی۔ گھنے جنگل میں بادلوں نے کھلبلی مچا رکھی تھی۔ بالکل ایسے ہی جیسے اسکے ذہن و دل میں اس وقت مچی تھی۔

وہ بارڈر کراس کرنے جا رہی تھی۔ جہاں جانے کی اجازت بھی نہ تھی۔ پھر اس جگہ کا مالک ایک قاتل اور سفاک شخص تھا۔ اور وہ بہر حال ایک لڑکی۔

بولڈ ہونے کے باوجود اس وقت دل ایک بار دھڑکا ضرور!

بڑے سے پتھر پر قدم رکھتے وقت اس نے دل ہی دل میں اپنی کامیابی کی دعا مانگی اور اللہ کا نام لے کر آگے بڑھی۔

ڈولتی ڈگمگاتی پتھروں پر قدم جماتی آخر کار وہ دوسری سمت پہنچ ہی گئی۔ اب دوبارہ اونچی ڈھلان تھی۔ وہ بھی اس نے بخوبی طے کر لی۔

جنگل میں بادلوں اور کہر نے بھول بھلیوں کا سا سماں پیدا کیا ہوا تھا۔ کوئی سرا کوئی سمت تو نظر آتا نہیں تھا۔ وہ اندازے سے آگے بڑھنے لگی۔

کچھ دور جا کر وہ ٹھٹھک سی گئی۔ پاس ہی کہیں سے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی تھی۔ اسکا دل ایک بار پھر دھڑکا۔ کہیں وہ وہی تو نہیں تھا۔ ایک درخت کے چوڑے سے تنے کے پیچھے سے وہ مڑ کر دیکھنے لگی۔

وہ ہی تھا ـــــ سو فیصد وہی تھا۔ وہ اسے ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔ عام سی جینز پر جیکٹ پہنے چند قدم نیچے دریا کے رخ پر آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ جیسے رائیڈنگ کا یہ آخری مرحلہ تھا۔

اور ـــ اپنے پلان کے مطابق۔ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر ـــــ دھنک وہیں لیٹتے ہوئے اسکی جانب جا گرتی۔ انجام کیا ہوگا؟ یہ سوچنے کو اس نے وقت ہی کب لیا تھا۔ فخر عالم تک ڈھلان پر لڑھکتے ہوئے تو اسے خاص چوٹ نہیں آئی تھی مگر اسکے گھوڑے کے ٹاپوں تلے کچلے جانے کے بعد اسے کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں دیئے وہیں پاس کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

دھنک نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر اسکا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ نقاہت اتنی تھی کہ اٹھ ہی نہ سکی۔

"آپکو بہت چوٹیں آئی ہیں۔ آپکے پاس آ کر گرنے پر گھوڑے نے بدحواس ہو کر آپکو زخمی کر دیا ہے۔ آپکے آپکو ڈاکٹر کی مدد چاہیے"۔ اسکا چہرہ سپاٹ اور آواز کسی بھی قسم کے جذبے سے عاری تھی۔

وہ جھکا اور دھنک کے کسی قسم کے احتجاج سے پہلے ہی اس نے اسے بڑی آسانی سے اپنے دونوں بازوؤں پر اٹھایا اور قریب کھڑے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔

جنگل میں ہی درختوں اور سبزے میں گھرا اسکا لکڑی کا ڈھلانی چھتوں والا گھر بے حد خوبصورت تھا۔

گھر کے نیچے سے ہوتے ہوئے پانی اس طرف ایک آبشار کی شکل میں گر رہا تھا۔ شاید مصنوعی جھیل نکال کر، یہاں تک لا کر اسے آبشار کی شکل دی گئی تھی۔ گھر کے نیچے ہی جھیل میں دور اس کنارے پر ایک کشتی بندھی نظر آ رہی تھی۔ جھیل کے اوپر اور گھر کے سامنے لکڑی کا ایک جنگلے دار چھوٹا پل بھی گھر کے دائیں اور بائیں اطراف کو ملانے کیلئے بنایا گیا تھا۔ مختصر سے پل پر چھوٹا سا لیمپ پوسٹ بھی نصب تھا۔ پل کے دائیں اور بائیں طرح طرح کے خوبصورت پھولدار درخت اور خودرو سفید ڈیزیز بکھرے پڑے تھے۔ بائیں جانب پتھروں کی سیڑھیاں پودوں اور پھولوں میں چھپتی چھپاتیں حسین بلڈنگ تک جاتی تھیں۔ پل کے پیچھے سے لکڑی کا جھونپڑ نما بڑا سا دو منزلہ مکان دکھائی دیتا تھا۔ چوڑے شیشوں کی چوڑی چوڑی کھڑکیوں میں کریم کلر کے پردے ایک طرف ہٹائے گئے تھے۔ تمام مکان میں لکڑی کی پینٹنگ ہوئی ہوئی تھی۔ اوپر کی منزل کی بالکنیوں میں سے ان گنت سرخ پھول جھول رہے تھے۔ اور ایسے ہی سرخ پھولوں کی بیل مکان کی چھت کو یوں گھیرے میں لئے تھی جیسے پھولوں کی چادر ڈال دی

گئی ہو۔ نچلی منزل کو سوائے ایک آدھ کھڑکی کے تمام پھول پودوں نے چھپا رکھا تھا۔ گھر کیا تھا۔۔۔ جنت کا کوئی ٹکڑا جیسے زمین پر آ رہا تھا۔ اور۔۔۔

اسکا کمین۔۔۔ اب بھی اسے اپنے آگے بٹھائے، بازو سے سہارا دیئے اپنے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اسکے اتنے قریب تھی کہ اسکی لگائی ہوئی مدھر پرفیوم کی مہک بخوبی محسوس کر رہی تھی۔

پچھلے چند ثانیوں کو وہ جیسے اسکا قاتل ہونا بھول گئی تھی۔۔۔ اچانک ہی اسکی تمام تر نفرت لوٹ آئی۔ کسمسا کر وہ اس سے الگ ہونے لگی۔

"آپ ٹھیک سے بیٹھیے پھر گر جائینگی"۔ وہ راستے پر نظریں جمائے کچھ سوچ رہا تھا۔

"میرے علاقے میں کسی کو میری اجازت کے بغیر گھسنے کی اجازت نہیں۔ آپ شاید یہاں اجنبی ہیں۔ اگر آپکی جگہ کوئی لڑکا ہوتا تو اس وقت حالات شاید کچھ اور ہوتے..."

ہونہہ۔۔۔ حالات اور کیا ہوتے؟ مار ڈالتا اسے قتل کر دیتا۔ بھاری رقم دیکر ایک بار پھر جان چھڑوا لیتا۔

دھنک کی نفرت سوا ہو گئی۔ اسکا ساتھ اسکی برداشت سے باہر ہونے لگا۔

مگر۔۔۔ یہ کیا کم تھا کہ وہ اتنی آسانی سے اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

گھٹی گھٹی سی سانس لیتے ہوئے اس نے اپنے سراپے پر نگاہ کی۔

اسکے کپڑوں پر واقعی جگہ جگہ خون کے دھبے تھے۔ بائیں کہنی پر تو خاصا بڑا زخم آیا تھا۔

گھر پہنچتے ہی اسکا سائیس بھاگتا ہوا اسکی مدد کو آیا۔ اسے دیکھ کر دور سے گزرتا ایک اور ملازم بھی دوڑا آیا۔

"انہیں گیسٹ ہاؤس لے جاؤ"۔ گھوڑے سے اترتے ہی اس نے دونوں کو حکم دیا۔

"چوٹیں آئی ہیں۔ اکرم سے کہو ڈاکٹر کو بلوائے"۔

اور۔۔۔ بڑے بڑے ڈگ بھرتا وہ گھر کی طرف بڑھا۔

گھر کے عقب میں گیسٹ ہاؤس تھا۔۔۔ بالکل گھر سے ملتا جلتا۔

وہ دونوں سہارا دیکر اسے بیڈروم میں لے آئے۔ آرام دہ بستر پر لٹایا۔ اسکے جوگرز اتارے اور کندھوں تک نرم و گرم کمبل اوڑھا دیئے۔

تھوڑی ہی دیر میں سائیس کیساتھ والا آدمی اس کیلئے اوولٹین ملا گرم گرم دودھ لے آیا۔

شاید فخر عالم نے کہا ہوگا۔ دھنک نے سوچا۔

مگر نہیں۔ اس نے فوراً اپنی سوچ کی تردید کی۔

وہ کرٹسی، ہمدردی اور مہربانی جیسے جذبوں سے عاری لگتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر بھی آ گیا۔ آتے ہی اس نے اسے ٹیٹنس کا انجکشن لگایا۔

تبھی فخر عالم اندر آ گیا۔ کچھ دیر قبل والا Casual ڈریس چینج کر لیا تھا۔ ڈارک بلو قیمتی سوٹ میں ملبوس تھا اس وقت۔

"گڈ مورننگ سر"۔ نوجوان ڈاکٹر مؤدب طریق سے بولا۔

"مورننگ"۔ وہ دھیرے سے بولا۔ اور۔۔۔

ایک سرسری نگاہ دھنک پر ڈالتے ہوئے پرلے سرے پر جا کر کھلی کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگا۔

"چوٹیں بہت آئی ہیں مگر۔ ہاتھ پیر سلامت ہیں"۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے فخر عالم کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"I see."۔ ڈاکٹر کی مسکراہٹ کے بدلے میں اس نے سنجیدگی سے کہا اور۔۔۔

رخ اندر کی طرف کر کے ڈاکٹر کو مختلف زخموں کی صفائی کرتے دیکھنے لگا۔

اسکی دودھ جیسی سفید کلائیوں اور چہرے کی سیب جیسی رنگت کو جو اس وقت کمہلا کر کچھ اور بھی پرکشش لگ رہی تھی، نظر انداز کرتی اسکی نظریں بڑی ہوشیاری سے پٹیوں کیساتھ ساتھ گردش کر رہی تھیں۔

"کہنی کے پاس Stitches آئینگے سر"۔ ڈاکٹر فخر عالم کو جیسے اجازت طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"Yes, go ahead." اس نے کہا۔

اور مزید کچھ کہے بنا بڑے بڑے قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر نے Stitches لگائے، تمام زخم ضرورت کے مطابق صاف کئے، دوائیاں، پٹیاں کیں، دوائیوں کا نسخہ لکھا، استعمال سمجھایا۔

"آج کا دن ذرا ریسٹ لیں۔ خوب کھائیں پئیں۔ ٹھیک ہو جائینگی۔ کل میں پھر آؤنگا دیکھنے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی اور چل دیا۔

دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ اسکی دوائیاں آچکی تھیں۔ اسے بہترین ناشتہ کرایا گیا تھا۔ اور اس وقت وہ پھر لیٹی سامنے کی کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اونچے اونچے پائینز کا ویو بڑا اکسائٹنگ تھا ——— اپنے مالک جیسا!

جانے کیوں ایک لمحہ کو اس نے سوچا اور پھر فوراً ہی جیسے اپنی سوچ بھی حقیر لگی۔ اس نے رخ ہی دوسری طرف موڑ لیا۔

یہاں تک تو وہ پہنچ گئی تھی۔ اتنی آسانی سے اسکی یہ سکیم کارگر ہوگی اسکے گمان میں بھی نہیں تھا۔ اسے اپنے زخم اپنی سکیم کے کامیاب ہونے کے مقابلے میں ہیچ لگے۔ وہ اس سے بھی زیادہ سہہ سکتی تھی یہاں تک پہنچنے کیلئے۔

آج کا دن وہ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق ریسٹ لے گی اور پھر ——— کل سے اپنے منصوبے کے باقی حصے پر عمل پیرا ہوگی۔

اس نے تھکی تھکی آنکھیں موند لیں اور ———

آرام کی دوا کی وجہ سے اسے جلد ہی غنودگی نے آلیا۔

شام پانچ بجے اسکی آنکھ کھلی۔ کھلی کھڑکی میں سے باہر دیکھنے کی کوشش کی لیکن ——— اسے تو گز بھر پر پائین کے درخت تک نظر نہ آرہے تھے۔ بادلوں کا ہجوم کھڑکی کے راستے اندر گھسنے کو بے قرار تھا۔ اسے سانس مشکل سے آنے لگی۔ اس کے باوجود بادلوں کی مخصوص مہک

اسے اچھی لگ رہی تھی۔ وہ یوں ہی خالی خالی نظروں سے کھڑکی میں سے باہر گھورتی رہی۔

تبھی ڈھیرے ڈھیرے بادل کمرے میں سے باہر نکلے۔ بادلوں میں لپٹے قریبی پائینز بھی نظر آنے لگے۔ مگر ———

یکدم ہی موٹی موٹی بوندیں پڑنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی۔

وہ پہلے بھی ایسے علاقوں میں گرمیوں کے موسم میں آچکی تھی۔ پہلے بھی یہ سب دیکھ چکی تھی۔ مگر ہر بار گھاٹیوں میں پہاڑوں پر درختوں میں سے لپٹے لپٹائے یہ بادل اسے نئے لگے۔ پل میں دھوپ پل میں بادل اسے نرالے لگے۔ کبھی بوندا باندی اور کبھی موسلا دھار بارش اسے انوکھے لگے۔

تبھی اسکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

اسکی محویت ٹوٹی۔ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔

"لیس دھنک سپیکنگ"۔ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"میڈم! میں کچن سے اسلم بول رہا ہوں۔ آپکا لنچ ایک بجے گیا تھا مگر آپ آرام کر رہی تھیں۔ اس وقت بھجوا دوں؟"

"نو تھینک یو۔ کھانا نہیں، چائے بھجوا دیں پلیز!"

"جو حکم"۔ اور فون بند ہو گیا۔

اسکے اس جنگل میں داخل ہونے کے بعد سے اب تک اس کیساتھ صرف ملازموں نے یا پھر اس ڈاکٹر نے بات کی تھی۔ فخر عالم نے پوچھا تک نہیں تھا کہ وہ کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ کیا کرنے آئی تھی؟ یا پھر اسکی طبیعت کیسی تھی؟ کھانا پینا مل رہا تھا یا نہیں؟

ہاں سوائے شروع کے ایک دو جملوں کے۔

وہ بھی یہ جتانے کہ وہ اسکے علاقے میں بغیر اجازت آئی تھی اور یہ بھی کہ چونکہ وہ ایک لڑکی تھی اسلئے وہ اسے اٹھا کر لانے اور ڈاکٹر کو دکھانے کا احسان کر رہا تھا ورنہ اگر لڑکا ہوتی تو

شاید وہیں سے باہر پھنکوا دیتا۔ یا پھر جانے کیا سلوک کرتا اس کیساتھ؟

وہ آہستہ سے بستر سے اٹھی۔ اسکا بیگ الماری میں رکھا تھا۔ اس میں سے پیڈ اور پین نکالے۔ سامنے والے صوفے پر بیٹھی اور —— ابتدا کی!

جناب ایڈیٹر صاحب!

یہ آدمی بدخو ہے بلکہ بدتمیزی کی حد تک بات کرتا ہے۔ لمبے قد کا بہت ہی ہینڈسم شخص ہے مگر بہت ریزرو ڈ اور جیسے کئی راز دل میں چھپائے ہے۔ بہت کم اور بہت سوچ کر بولتا ہے جیسے اسکی کسی بات سے کوئی راز کھلنے کا اندیشہ ہو۔ کسی کو چوٹ آئے، زخم آئیں اسکی بلا سے۔ آنکھوں تک سے ہمدردی نہیں جھلکتی۔

میرا یہاں پہلا دن ہے۔ خدا کرے جلد ہی کوئی Clue مل جائے، بلکہ جیسے جیسے Hints ملتے جائینگے میں خط روانہ کر دیا کرونگی۔ یا فون پر بتا دیا کرونگی..."

وہ دوبارہ اٹھی۔ پین واپس بیگ میں رکھا اور پیڈ نہایت احتیاط سے الماری میں بچھے اخبار کی تہہ میں چھپا کر رکھ دیا۔

پھر وہ باتھ روم گئی۔ منہ ہاتھ دھوئے۔ واپس آ کر سکارلٹ ریڈ کپڑے نکالے۔ ڈریسنگ روم میں جا کر خون کے داغ دھبوں والے کپڑے بدل کر صاف پہن لئے۔ آہستہ آہستہ بالوں میں برش کیا۔ کپڑوں پر اپنا پسندیدہ کلون سپرے کیا —— تو جیسے طبیعت بہت ہلکی محسوس ہوئی۔

رات کھانے کے بعد اس نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق دوائیاں لیں اور —— سو گئی۔

رات کے دو بجے کے قریب کچھ آہٹوں، دبے دبے سے شور سے اسکی آنکھ کھل گئی۔

چند لمحے تو وہ اسے یوں ہی اپنا واہمہ سمجھتی رہی۔ مگر —— اب بھی وہی قدموں کی آہٹیں تھیں، دبی دبی باتیں تھیں۔ کہیں پاس ہی، کہیں قریب ہی۔

اٹھ کر وہ کھڑکی کے پاس آئی۔ سوائے پائنز کے سائیں سائیں کے اس طرف تو کچھ نہیں تھا۔

پر —— کچھ تھا ضرور۔ یہی وقت تھا، یہی موقعہ تھا۔ اسے کھونا نہیں چاہئے تھا۔

گو باہر بہت ٹھنڈ تھی، گپ اندھیرا تھا، سائیں سائیں کرتے دیو قامت درخت تھے، بھوتوں کا جیسے بسیرا تھا پورے جنگل میں —— اس پر قدموں کی آہٹیں، دبی دبی سرگوشیاں —— سب کتنا پر اسرار تھا!

بغیر وقت ضائع کئے اس نے صوفے کے بازو سے اپنی جیکٹ اٹھائی اور پہنتے ہوئے کوئی آہٹ کئے بنا آہستہ سے کمرے سے باہر نکل آئی۔ چاروں طرف دیکھا۔ کچھ نہیں تھا۔

وہ اور آگے بڑھی۔ فخر عالم کے کمرے تک گئی۔ اب آہٹیں واضح ہو رہی تھیں، باتیں گو صاف سنائی نہ دیتی تھیں مگر پہلے کی نسبت نمایاں ہو رہی تھیں۔

وہ دیوار سے چپکتی چپکاتی اسی سمت بڑھی۔

کوٹھی کے بائیں طرف جہاں گاڑیاں پارک ہوتی تھیں وہیں ہو رہا تھا کچھ۔

دیوار کے کونے سے جو جھانک کر دیکھا تو اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔

فخر عالم نے لمبا اوور کوٹ پہن رکھا تھا۔ کالر اوپر اٹھایا تھا جو چہرے کو چھپائے تھا۔ ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں دوسرے میں ٹورچ تھا۔ جسے وہ کبھی کبھی روشن کر لیتا۔ اور ——

اسی لمحے بھر کی روشنی میں دھنک نے دیکھا دو شخص سفید چادر میں لپٹی ایک لاش کو ٹرک میں رکھ رہے تھے۔ لاش کو رکھ کر ایک آدمی وہیں لاش کے پاس بیٹھا رہا اور دوسرا نیچے اتر آیا۔ فخر عالم نے جیب سے کچھ رقم نکالی، اس آدمی کو دی، کچھ ہدایات دیں اور وہ شخص بھی ٹرک میں جا بیٹھا۔ دونوں آدمی حبشی سے لگ رہے تھے —— پھر ٹرک سٹارٹ ہوا، روانہ ہوا —— اور فخر عالم آہستہ آہستہ چلتا گھر کی طرف والا موڑ مڑ گیا۔

تو ایک —— اور قتل کیا تھا آج اس نے!

دھنک کے کاٹو تو لہو نہیں تھا بدن میں۔ وہ ایک جرنلسٹ تھی، بولڈ بھی تھی۔ مگر —— ایسے مناظر تو بڑے بڑوں کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ اسکے پاؤں من من کے ہو رہے تھے۔ جیسے تیسے کر کے وہ اپنے کمرے تک پہنچ گئی۔

بتی تک نہیں جلائی۔ چپکے سے بستر میں گھس گئی۔

باقی کی رات اس نے آنکھوں میں کاٹی۔ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ کبھی نظروں میں سفید کپڑے میں لپٹی لاش گھومی وہ سہمے سہمے آدمی، کبھی پراسرار فخر عالم کا اس آدمی کو رقم دینا، کچھ ہدایات دینا — لاش کو پانی میں بہا دینے کی یا پھر کہیں گڑھا کھود کر دبا دینے کی — اسے پاگل بنا دیا، سارا جنگل مقتولوں کے مدفن لگے۔ سائیں سائیں کرتے بلند و بالا درخت فریاد کرتے سسکیاں بھرتے محسوس ہوئے اور — باہر کی سیاہ تاریکیاں ماتم کناں لگنے لگیں۔

تمام رات وہ بستر میں دبکی پڑی رہی۔

سورج کی پہلی کرن کیساتھ اسکی جان میں قدرے جان آئی۔ رات والا واقعہ گو اب بھی ذہن سے چپٹا ہوا تھا۔

وہ آہستہ سے بستر سے اٹھی۔ اسکے جوڑ جوڑ میں درد ہو رہا تھا۔ باتھ روم جا کر اس نے منہ ہاتھ دھوئے۔

ڈریسنگ روم میں آکر خوبصورت بالوں پر برش کیا۔ حسین چہرے ہرنی مائل شربتی آنکھوں اور پیارے پرنٹڈ کپڑوں میں وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ وہ بہت کم کپڑے ساتھ لائی تھی۔ اسے زیادہ کپڑوں کی نہیں فخر عالم پر زیادہ نگرانی کی ضرورت تھی۔ فخر عالم —
اسے جھرجھری سی آگئی — اتنی ڈیشنگ پرسنیلٹی والا شخص کیونکر ایسے کاموں میں پڑ گیا تھا؟ یا پھر دولت اور املاک چیز ہی ایسے ہیں کہ انسان کو قتل تک پر مجبور کر دیتے ہیں۔

"ٹررن... ٹررن..." فون کی گھنٹی پر وہ اچھل سی گئی۔

کمرے میں آکر ریسیور اٹھایا۔ کان سے لگایا۔

"اسلم بول رہا ہوں میڈم۔ بیرے نے بتایا تھا۔ آپ جاگ رہی ہیں اسلئے بیڈ ٹی بھجوادی ہے۔ آپ پلیز بتائیں کہ بریک فاسٹ میں کیا پسند کرینگی؟" وہ بہت مہذب طریق سے بول رہا تھا۔

فخر عالم کے ملازم تک اچھے اور ایجوکیٹڈ لگ رہے تھے۔ اتنا اچھا خوبصورت ماحول تھا مگر —

رات کے اندھیروں میں جرم ہوتے تھے یہاں!

اسلم کو ناشتے کا بتا کر وہ چند ثانیے کھڑکی کے کھلے پٹ سے ٹیک لگائے باہر دیکھتی رہی۔

اس وقت پھر اونچی چوٹیوں پر دھوپ اور نیچی کھائیوں میں بادل منڈلا رہے تھے۔فخر عالم کا گھر دھوپ کی نرم و گداز کرنوں میں سنہری ہو رہا تھا۔اور دور —— نیچے کھائی میں اندھیرا اور بادل دونوں گڈمڈ ہو رہے تھے۔پھر —— اس پار کھائی سے آگے اوپر کو اٹھی ڈھلان پر اکا دکا اِدھر اُدھر بکھرے چھوٹے چھوٹے گھروں کی ٹین کی چھتوں کو ایک بار پھر سورج کی شعاعیں منور کر رہی تھیں۔کہیں دھوپ، کہیں بادل —— روح تک سرشار ہو رہی تھی۔اور ——

کچھ فاصلے پر اس نے دیکھا —— اپنے جنگل میں فخر عالم ٹریک سوٹ پہنے ایک بھاری بھرکم کتے کی زنجیر تھامے صبح کی واک میں مصروف تھا۔

فخر عالم —— جانے کیوں ایک بار پھر وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔

اور پھر اسے خیال آیا۔رات والا واقعہ قلمبند کر کے کچھ تو مواد اکٹھا کر لے۔

الماری سے پیڈ اور پین نکال کر وہ صوفے کے بازو پر بیٹھ کر لکھنے لگی۔

"......رات کو ایک عجیب واقعہ ہوا۔مسٹر فخر عالم نے کسی کو قتل کیا تھا۔لاش ٹرک میں ڈالتے وقت میں نے خود دیکھ لیا۔گو اس نے بتیاں نہیں جلائی تھیں مگر اسکے ٹورچ کی روشنی میں میں بخوبی دیکھ سکتی تھی۔دو آدمی جو لاش کو ٹھکانے لگانے پر مامور تھے وہ بھی چپ اور سہمے ہوئے تھے۔ان میں سے ایک کو فخر عالم نے جیب سے کچھ رقم نکال کر دی ساتھ ہی ڈھیر سارے کچھ ہدایات بھی —— جو میں نہ سن پائی۔

سر! مجھے خود بھی جلدی ہے۔اسکے کیریکٹر کے Hints تو مل رہے ہیں۔مگر بس ایک چیز کا مجھے انتظار ہے کہ کسی طرح پتہ چل سکے کہ اپنی بہن کو اسی نے مارا ہے۔میں آج آپکو فون کرنے کی بھی کوشش کرونگی۔

اتنا لکھ کر اس نے پھر اسے الماری میں اخبار کی تہہ میں چھپا لیا۔

معاً دروازے پر دستک ہوئی۔وہ اچھل کر رہ گئی۔اچھا تھا پیڈ چھپا تو لیا تھا۔

"لیس"۔الماری سے ہٹتے ہوئے اس نے اپنے آپکو سنبھالا۔

بیرا تھا۔ناشتے کی ٹرے لئے اندر آیا۔

"میڈم اب کیسی طبیعت ہے آپکی"۔وہ بڑے خلوص سے بولا۔

"بہتر ہوں شکریہ"۔وہ ممنونیت سے بولی۔

یہاں سب لوگ اچھے تھے۔سوائے فخر عالم کے۔

"میڈم کسی چیز کی ضرورت ہو تو فون پر کہہ دیجئے گا۔آج کچن میں مصروفیت کچھ زیادہ ہے۔صاحب کے ایک خاص دوست آنے والے ہیں..."وہ ٹرے صوفے کے قریب میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

"اوہ اچھا۔اور تو کچھ نہیں چاہئیے بس آجکا اور پچھلے دو دنوں کے اخبار چاہئیں اگر لا سکو تو"۔اخبار پڑھے بغیر اسے چین ہی نہیں آتا تھا۔اور پھر آج تو تیسرا دن تھا اس نے اخبار کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

"کیوں نہیں۔ابھی لاتا ہوں میڈم۔"وہ مؤدب طریق سے بولا۔

اور باہر نکل گیا۔

بستر میں لیٹی وہ —— یکے بعد دیگرے تینوں اخبار دیکھ رہی تھی۔

تبھی وہ دروازے پر دستک سے چونکی۔

ڈاکٹر تھا، ساتھ میں ایک ملازم۔

'سنایئے کیسی ہیں آپ'۔وہ ایک بے تکلف دوست کی طرح بولا۔پاس آ کر اسکی نبض تھام لی۔کل بخار تو نہیں ہوا؟"

یہ ڈاکٹر ہی اچھا تھا۔اوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور تو نہیں تھا۔

"ہوا تھا ہلکا سا"۔

"پھر؟"اسکی نظریں اپنی کلائی پر گھڑی پر تھیں۔

"گولیاں کھالی تھیں اتر گیا تھا"۔

"اس وقت تو نہیں ہے۔"اب وہ زخموں کی طرف متوجہ ہوا۔

اسکی کہنی الٹ پلٹ کی۔

اور پانچویں دن Stitches کھلیں گے۔ تین چار دن بعد۔"

تین چار دن جانے وہ یہاں رہتی بھی تھی یا نہیں؟ ویسے وہ بھی عجیب بن بلائی مہمان تھی ــــ نا ہی میزبان نے کبھی مڑ کر پوچھا تھا کہ وہ کیوں آئی تھی؟ کب جائیگی؟

"آپ ــــ بولا کریں۔ چلا پھرا کریں..."

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"یہ اتنے خوبصورت دانت ــــ چھپانے کیلئے تو نہیں ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ گو اسکی بات میں سادگی تھی۔ کوئی معنی نہ تھی۔ پھر بھی دھنک کا رنگ سرخ سا ہو گیا۔

ڈاکٹر چلا گیا۔

آج واقعی گھر میں گہما گہمی سی تھی۔ بقول ملازم فخر عالم اپنے دوست کو لینے خود ائیر پورٹ گیا تھا۔

اور پھر دوپہر تک جو دونوں آپہنچے تو جیسے ہنگامہ سا برپا ہو گیا گھر میں!

ادھر ادھر گھومتے گھماتے ــــ اس نے پہلی بار فخر عالم کے جاندار قہقہے سنے۔ پہلی بار بے تکان بولتے سنا۔ پہلی بار کسی سے بے تکلفی سے باتیں کرتے سنا۔

آج وہ دوپہر کو سوئی نہیں۔ یوں ہی جنگل میں ادھر ادھر پھرتی رہی ــــ پائینز کی مخصوص خوشبو، سفید ڈیزیز، خودرو گلابی رنگ کے چار پتیوں والے ننھے ننھے سے پھول، سر اٹھائے اونچے اونچے Snake plants اور پھر ایک نوخیز چھوٹی چھوٹی پتیوں والی جھاڑی میں لگے سفید ننھے ننھے ستارہ نما چنبیلی کی سی خوشبو والے ان گنت پھول ــــ وہ آگے ہی آگے بڑھتی گئی۔

اس نے نوٹ کیا مختلف جگہوں پر مسلح گارڈز متعین تھے۔ وہ اس رخ پر بھی گئی جہاں سے اس نے دریا پار کیا تھا، آنٹی کے گھر کا تعین بھی ہو سکتا تھا وہاں سے ــــ پھر وہ جگہ جہاں سے وہ لڑھک کر فخر عالم کی طرف گئی تھی۔ ایک گارڈ آج یہاں بھی موجود تھا۔ اس نے محسوس کیا ہر گارڈ اسے پراسراری نظروں سے گھور رہا تھا۔ شاید فخر عالم نے چوکس کروائے تھے یا پھر

گارڈز ہوتے ہی ایسے ہونگے۔ بہر حال ــــ ذرا غور کیا تو کچھ فاصلے پر جہاں وہ گھوڑے کے ٹاپوں میں آئی تھی اسکا پینٹنگ برش پڑا نظر آیا۔ آگے بڑھ کر اس نے اٹھا لیا۔ برش کو مٹی سے صاف کرتے کرتے اس نے دیکھا گارڈ نہایت چوکنا ہو کر اسکے ہاتھ میں پکڑے برش کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے ہنسی آگئی۔ جیسے اس نے برش نہیں کوئی بم تھام رکھا تھا ہاتھوں میں۔ خیر ــــ اسے برش کیساتھ پہلی بار یاد آیا وہ تو یہاں پینٹنگ کے بہانے سے گھسی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھائی۔ سفید ڈیزی کے پھولوں سے اٹی ڈھلان ــــ جیسے پھول ہی پھول تھے اور بس!

وہ جب بھی اس پہاڑی علاقے میں آئی تھی ڈیزیز سے لدے ڈھلانوں کو دیکھ کر جی چاہا تھا اتار لے سب کو ایک دن کینوس پر۔ اس وقت اسکے پاس کینوس تو نہیں تھا مگر ــــ گتے کا ٹکڑا، لکڑی کی ہی سطح پر وہ ان ڈیزیز کو اتار سکتی تھی۔ رنگ اور برش تو تھے ہی پاس۔ کسی وقت کرنے کی کوشش!

ادھر ادھر گھوم پھر کر وہ کافی دیر بعد کمرے میں واپس آگئی۔ شام کی چائے کیساتھ اس نے دوائی لینی تھی۔

کمرے میں داخل ہوئی تو مدھر پرفیوم کی مہک نے توجہ کھینچ لی۔ پہلے بھی یہی مہک وہ محسوس کر چکی تھی پر ــــ کہاں؟ اس نے ذہن پر زور دیا۔ یاد آیا ــــ فخر عالم اسے گھوڑے پر بٹھا کر گھر لا رہا تھا تو یہی مہک اسکے جسم میں سے آرہی تھی۔

کیا فخر عالم آیا تھا اسکے کمرے میں؟ اس نے حیرت سے سوچا۔

یکدم ہی جانے کیوں وہ الماری کی طرف بڑھی، اخبار کی تہہ ٹٹولی۔

"اوہ"۔ اس نے جیسے نجات کی سانس لی۔ اسکا پیڈ اور نوٹس اپنی جگہ پر موجود تھے۔

پھر وہ مسکرا دی ــــ وہ بھی کتنی گھبرا گئی تھی۔ فخر عالم کا الماری میں اخبار کی تہوں میں کیا کام؟

پر ــــ وہ آیا ضرور تھا۔ شاید اسکی حالت دریافت کرنے۔ یا پھر اسے یہاں سے چلتا

کرنے۔

تبھی وہی صبح والا بیرا قیوم اسکی شام کی چائے لے آیا۔

چائے کیساتھ ہنٹر بیف اور بسکٹ تھے۔ جانے اس خاطر تواضع کی فخر عالم کو خبر بھی تھی؟ وہ اندازہ نہ کرسکی!

"میں ایک ضروری فون کرنا چاہونگی"۔ اس نے قیوم سے کہا۔

"جی ضرور کیجئے۔ یہاں اس فون سے تو آپ ڈائریکٹ بات نہیں کرسکیں گی۔ ہمارے آپریٹر سے کہنا پڑیگا۔ ہاں ادھر صاحب کے فون سے آپ بات کرلیں"۔

"ہوں"۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

آپریٹر کو نمبر ملانے کی غلطی تو وہ نہ کرسکتی تھی۔ کہ فوراً پتہ چل جائیگا کہ اس نے میگزین کے دفتر میں فون کیا تھا۔ پھر کون جانے آپریٹر ساری بات سن بھی رہا ہو۔

رہ گئی فخر عالم کے فون سے بات تو___

"مسٹر فخر عالم کے فون سے بات ہوسکتی ہے؟" اس نے شاید تصدیق چاہی۔

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" وہ اعتماد سے بولا۔

"تم ذرا ٹھہر کر آنا چائے پیتی ہوں پھر تم میرے ساتھ گھر تک چلنا۔" وہ اس سے قبل فخر عالم کے گھر گئی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد بیرا آیا تو اسے ساتھ لئے فخر عالم کے گھر کی طرف چلا۔ کہر اتنی تھی کہ گھر کے سامنے والے لکڑی کے پل پر چلنا تو کجا اسے ساتھ ساتھ چلتا قیوم بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ بس پل پر روشن کھمبے کی فوگ لائیٹ ہی راستے کا تعین کررہی تھی___ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی گئی۔ ہال کے دروازے کے قریب پہنچتے پہنچتے کہر چھٹ گئی۔ اب سب صاف نظر آرہا تھا۔

باہر بادل اور کہر کی وجہ سے دھندلکے کے سبب ہال میں بیک وقت کرسٹل کے کئی قیمتی فانوس روشن تھے۔ اسکے پاؤں کے نیچے قالین بہت گداز تھے۔ دیواروں پر لگی پینٹنگز بہت نایاب تھیں اور___ جابجا ایستادہ مجسموں میں جیسے جان پڑ گئی تھی___ وہ آگے بڑھی۔

"وہ سامنے فون رکھا ہے میڈم۔" بیرا اسے ہال میں داخل ہوتے ہی اشارے سے فون دکھا کر واپس چلدیا۔

وہ ہال میں بنی خوبصورت کارونڈ چوڑی سیڑھیوں کے قریب سٹینڈ پر رکھے فون کی طرف بڑھنے لگی۔

معاً اسکی نظر اوپر سیڑھیوں کے لینڈنگ پر گئی۔ فخر عالم تھا۔ ڈارک گرے قیمتی سوٹ میں ملبوس آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اور___

دھنک کو رات والا واقعہ یاد آیا۔ ایک منجمد کردینے والی یخ بستہ لہر اسکی ریڑھ کی ہڈی میں سے تیر گئی۔ پھیلی پھیلی آنکھوں سے وہ اسے دیکھنے لگی۔

اس وقت اسکی نظروں میں وہ اجنبیت نہ تھی جو پہلے دن تھی۔ چہرے پر وہ سنجیدگی نہ تھی جو اس دن تھی۔ مضبوط جبڑے بھی اس سختی سے جڑے نہیں تھے جیسے کل تھے!

اسکی کچھ ہمت بندھی۔

"گڈ ایوننگ میم۔" پاس آتے ہوئے وہ بہت دوستانہ انداز میں بولا۔

فخر عالم___ بات کرے___ وہ بھی ایسے نرم انداز میں!

"ہیلو۔" اچھا تھا وہ ہکلائی نہیں، آواز پر قابو پالیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپکی؟" اسکے پرکشش لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔

اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، وہ مسکرایا بھی تھا۔

"ٹھیک ہوں۔ تھینک یو"۔ اسکے چہرے پر حیرت ضرور تھی۔

"آپ___ یہاں کیسے؟ میرا مطلب ہے..." موہوم سی مسکراہٹ اب بھی اسکے لبوں کو چھو رہی تھی۔

"وہ... ایک فون کرسکتی ہوں؟" اس نے اجازت تو بہرحال لینی تھی۔

"اوہ۔ Sure" کہتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھا۔

دھنک نے ٹرنک بکنگ سے ایڈیٹر کا نمبر ملانے کو کہا اور وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔

دو دفعہ آپریٹر نے کہا کہ باوجود کوشش کے لائین مل نہیں رہی۔ اس نے ایک آخری کوشش کرنے کو کہا اور بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ یہ فون بہت ضروری تھا۔ وہ بے چینی کیساتھ ساتھ پریشان بھی تھی۔ اتنی دیر سے فخر عالم بھی وہیں ہال میں موجود تھا۔ بک شیلف میں کوئی کتاب ڈھونڈ رہا تھا۔ اگر کال مل بھی گئی تو وہ بات کھل کر کر بھی سکے گی یا نہیں؟

"ٹرررن... ٹرررن..." فون کی گھنٹی بجی اور ــــ

اس نے جلدی سے ریسیور اٹھایا۔

کال مل گئی تھی اور انکل اشفاق لائین پر تھے۔

"ہیلو۔" اس نے دھیرے سے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "دھنک بول رہی ہوں۔"

لفظ "دھنک" پر ہی شاید فخر عالم نے مڑتے ہوئے اس پر سر سے لیکر پاؤں تک ایک نظر ڈالی تھی۔

"ہاں بیٹے سناؤ کیا حال ہے۔ خیریت سے تو ہو نا۔" چیف ایڈیٹر اشفاق نے پوچھا۔

"جی بالکل خیریت سے ہوں"۔

"کوئی پروگریس؟"

"وہ... وہ..." فخر عالم مڑے سے ہال کے پرلے سرے پر صوفے میں بیٹھا ایک کتاب کے اوراق پلٹ رہا تھا۔ وہ کیسے بات کر سکتی تھی؟

"ہیلو ــ ہیلو..." ایڈیٹر تھے۔ "خیریت تو ہے نا؟ کب آ رہی ہو؟"

"بالکل خیریت ہے۔ آ جاؤنگی۔ آپ فکرمند نہ ہوں"۔ وہ خط بھیج دیگی یہ وہ چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ سکی کہ فخر عالم کی نظریں نہ سہی کان ہی اس پر لگے ہوئے ہوں تو؟ "اچھا خدا حافظ۔" اور دھنک نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔

فخر عالم کی موجودگی میں وہ کچھ نہ کہہ پائی تھی۔ اب تو بس ایک ہی راستہ تھا۔ تمام پروگریس خط میں لکھ کر بھیج دینا۔

"تھینک یو سو مچ"۔ اس نے فخر عالم سے کہا۔

"You're welcome." فخر عالم نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔

اسکے کان تو جیسے واقعی اسی پر لگے تھے!

نپے تلے قدم اٹھاتی وہ باہر نکل آئی۔

رات اسکا ڈنر بھی خاصا پرتکلف تھا۔ یوں تو روز ہی لگتا تھا وہ کوئی خاص مہمان تھی، اور خاص تواضع ہو رہی تھی اسکی مگر آج کچھ زیادہ ہی توجہ دی گئی تھی۔ فخر عالم کا خاص دوست جو آیا ہوا تھا۔

کھانے کے بعد وہ بستر میں لیٹے لیٹے ہی ٹیلیویژن پر نیوز سنتی رہی۔ نیوز ختم ہوئے تو وہ اٹھی۔ ٹی وی بند کیا۔ کپڑے تبدیل کئے، نائیٹ سوٹ پہنا اور بستر میں گھس گئی۔

آنکھیں بند کر کے وہ سونے کی کوشش کرنے لگی مگر ــــ

اچانک فخر عالم اور اسکے دوست کے فلک شگاف قہقہے کانوں میں پڑے۔ چند پل تو وہ یوں ہی لیٹی سنتی رہی۔ پھر جانے جی میں کیا سمائی؟

اٹھی۔ بتی نہیں جلائی کہ جنگل میں جابجا ایستادہ سٹریٹ لیمپس کی کمرے میں آتی مدھم روشنی ہی کافی تھی۔ اس نے نائیٹ سوٹ کے اوپر ہی جیکٹ پہنی، اپنا ننھا سا ٹیپ ریکارڈر اٹھایا اور آہستہ سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

سیاہ بادلوں نے چہار سو ہلہ بول دیا تھا۔ اونچے اونچے سر بفلک چیڑ و دیودار کے درخت چپ چاپ ایستادہ تھے اور جھونپڑ نما محل کی بالکنیوں میں سے چھن چھن کر آتی مدھم روشنیاں بہت پراسرار لگ رہی تھیں۔

قہقہے فخر عالم کے گھر کے اوپر کی منزل سے آ رہے تھے۔ اسکا بیڈروم شاید وہیں تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اوپر کیسے جائے؟

پھر جیسے ذہن میں ترکیب آئی۔ جیکٹ اتار وہیں پھینک دی کہ وہ جیکٹ میں پھرتی سے کام نہ کر پاتی۔ اوپر اس بالکنی کو ایک نظر دیکھا جہاں سے اب بھی قہقہے آ رہے تھے۔ چپل اتارے اور احتیاط سے قریب ترین پائین کے درخت پر چڑھنے لگی۔ پائین پر چڑھنا کوئی خاص مشکل نہیں تھا ــ اوپر پہنچ کر وہ بالکل دھیرے سے بالکنی میں اتر گئی۔

دل دھک دھک ضرور کر رہا تھا ___ کہ وہ زندگی میں پہلی بار کسی شخصیت سے گھبرائی تھی ___ خوفزدہ ہوئی تھی۔

شاید اسلئے کہ اس سیٹنگ پر سلیبلٹی کے پیچھے کئی راز پنہاں تھے، کئی اسرار پوشیدہ تھے۔

اس نے آہستگی سے آنکھ کھلی کھڑکی کے کونے سے لگالی۔ وہیں بالکل کھڑکی کے قریب دونوں دبیز قالین پر نیم دراز گاؤتکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں شراب کے گلاس تھے۔ اور دونوں کو خوب چڑھی ہوئی تھی۔ مست مدہوش لگ رہے تھے۔

ایک اور پوائنٹ! ہینڈسم قاتل شراب کا بھی رسیا تھا!

وہ بوکھلا سی گئی۔

کس آس پر اسے ایسے لوگوں میں گھرے رہنا مناسب تھا؟ اگر اسی شخص نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تو؟ اگر وہ قتل کر سکتا تھا تو کسی لڑکی کی عزت اسکے سامنے کیا وقعت رکھتی تھی؟

اور پھر اس وقت وہ بالکل اپنے آپے میں نہیں تھا۔ اگر اسے معمولی سا بھی شک ہوا اور اسے دیکھ لیا تو؟ مگر اسے اسکی بہن کے قتل کے بارے میں بھی تو معلوم کرنا تھا!

نہیں۔ دماغ نے مشورہ دیا۔ یہ وقت مناسب نہیں تھا!

چلنا چاہیے اسے۔ وہ دبے پاؤں مڑنے لگی۔

"یار... کس ہوشیاری سے جان... بچائی ہے... تو نے..."

فخر عالم کے دوست کے ہکلائے ہکلائے الفاظ نے اسکے مڑتے قدم روک لئے ___ کہیں یہ اشارہ فخر عالم کی بہن سمینہ کے قتل کی طرف تو نہیں تھا؟

وہ دم روک کر کھڑی ہوگئی۔ ٹیپ ریکارڈر آن کر کے چپکے سے کھڑکی کی جالی سے لگالیا۔

"پیسہ بڑی چیز ہے بھائی پیسہ... پیسے کا کمال ہے سارا۔" فخر عالم بھی ہکلا رہا تھا۔

"تم... تجھے... تیرے بری ہونے پر مبارکباد دینے آیا ہوں... ہے نا..."

"ہاں معلوم ہے۔"

"یار اچھا کیا پتہ کاٹ دیا اسکا... کروڑوں اربوں کی ملکیت میں... حصے بخرے چھے

معلوم نہیں ہوتے... سنا ہے تیرے ہی بیڈروم میں تھی... تیرے ہی بستر پر..."

"ہاں ___ میں کبھی اچھی مووی لاتا تھا تو وہیں میرے بستر میں گھس کر دیکھ لیا کرتی تھی... اس رات بھی ایسا ہی ہوا... فلم دیکھ کر سو رہی تھی... میں دیر سے گھر لوٹا... موقعہ اچھا تھا بس... مار دیا۔"

"چاقو سے؟"

"ہاں۔"

"فنگر پرنٹس؟"

"ارے بھائی۔ اب اتنا بھی بیوقوف نہیں ہوں کہ ___ فنگر پرنٹس چھوڑتا۔"

"اچھا کیا یہاں آگئے۔ تھوڑا سکون ملے گا۔"

"واقعی یار ذہن کا بوجھ کم ہو رہا ہے۔"

"ٹررررن... ٹررررن..." اچانک قریب کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

فخر عالم کوشش کر کے آگے بڑھا۔ ریسیور اٹھایا۔ پھر کان سے لگایا ___ پھر ہٹا کر تھوڑی دیر اسے گھورتا رہا۔ پھر کان سے لگایا۔

"یس فخر عالم سپیکنگ۔" لہجہ وہی ہکلایا ہکلایا تھا۔

"کیا؟" وہ قدرے ہوش میں آیا۔ "مال پکڑا گیا؟ کس کی ڈیوٹی تھی؟ شٹ اپ یو ___ ایڈیٹ۔ ڈرائے فروٹ کے کریٹس کے اندر رکھے چھوٹے بیگز کا کسی کو کیسے پتہ چل گیا؟"

تھوڑی دیر وہ اور فون کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہا۔ پھر ریسیور رکھ کر دوبارہ دوست کی طرف متوجہ ہوا۔

"یار تو نے کہا تھا اسلمیٰ آئیگی آغوش گرم ہوگی... مگر اسکا ابھی تک کوئی پتہ ہی نہیں۔ فون کر دو نا..."

اور ___ دھنک کا جیسے مزید یارا نہ رہا۔ کونسی خوبی تھی جو اس آدمی میں نہیں تھی۔ ایک

دو قتل کیا وہ تو لاکھوں کے قتل کا بندوبست کئے ہوئے تھا۔ قاتل تھا، سمگلر تھا، عورتوں کا رسیا تھا!

ٹیپ ریکارڈر بند کرتے ہوئے وہ سن سا دماغ لئے آہستہ آہستہ درخت پر سے اترنے لگی۔ مگر ۔۔۔

ساتھ ہی اطمینان بھی ہوا۔ اتنی جلدی اور اتنی صفائی سے اسے ہر بات پتہ چل جائیگی اسکے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اپنے آپکو خوش قسمت ترین رپورٹر سمجھ رہی تھی۔

کل صبح ہی وہ یہ تمام نیوز اکٹھے لکھ کر ایڈیٹر کو پوسٹ کر دیگی۔ کتنے خوش ہونگے وہ؟ کتنا نام ہوگا اسکا؟

رات بھر وہ خوشی کے مارے ٹھیک سے سو بھی نہ سکی۔

صبح سویرے اٹھ کر اس نے اوشن گرین گرم کپڑے نکالے اور جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔ خوبصورتی سے بندھے بال اور کپڑوں کے ہمرنگ شوز میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

الماری سے پیڈ اور پین نکال کر وہ رات والا واقعہ قلمبند کرنے لگی۔

"وہ قاتل ہے، سمگلر ہے، شرابی ہے، عورتوں سے کھیلتا ہے، کریہہ ترین انسان ہے..."

اور تمام صفحات اکٹھے کر کے لفافے میں ڈالے، ہفتہ وار آئینہ کے ایڈیٹر کا ایڈریس لکھا اور بیرے کا انتظار کرنے لگی۔

تبھی قیوم بیڈ ٹی لئے اندر آیا۔

"گڈ مورننگ میڈم"۔ اس نے چھوٹی سی ٹرے اس کے آگے میز پر رکھی۔

"گڈ مورننگ"۔

بیرا واپس مڑنے لگا۔

"سنو قیوم"۔

"جی"۔ وہ دوبارہ مڑا۔

"یہ خط ہے بہت ضروری اسے آج ہی نکل جانا چاہیے۔ ہوں"۔

"جیسا حکم۔" اس نے لفافہ لے کر جیب میں رکھ لیا۔

دھنک نے اسے خط چھپانے وغیرہ کی تاکید نہیں کی۔ کہ خود اسے بھی شک ہو سکتا تھا۔

"اور ہاں آج کا اخبار۔" وہ نرمی سے بولی۔

"ابھی لایا سرکار"۔ اور وہ چل دیا۔

اسکے ذہن کا بوجھ قدرے کم ہوا۔

گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پینے لگی۔

اسے خود بھی یہاں سے جلد سے جلد چلے جانا چاہیے۔ مگر کم از کم آج نہیں۔ یہ نہ ہو فخر عالم کو کوئی شک پڑ جائے۔ یا کسی کو بھی ــــ آجکا دن مناسب نہیں تھا۔ اسکے سیج کھلنے میں ابھی وقت تھا۔ مگر سیج وہ کہیں اور سے بھی کھلوا سکتی تھی۔ وہ کسی طرح اس جال سے، بھول بھلیوں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

خالی کپ میز پر رکھ کر جیکٹ پہن کر وہ باہر نکل آئی۔ ناشتہ آنے میں ابھی ویسے بھی دیر تھی۔ وہ گیسٹ ہاؤس کے پیچھے جنگل میں نکل گئی۔

جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ دیئے سوچوں میں گم وہ آگے ہی آگے بڑھتی گئی۔

معاً نظریں اٹھا کر دیکھا ــــ فخر عالم تھا، بمعہ اپنے خونخوار کتے کے۔

اس وقت پھر وہ اسے دیکھ کر کانپ سی گئی۔ یہ گریک گوڈ اپنے اندر کتنے گھناؤنے جرم چھپائے تھا!

اس نے خود کو سنبھالا۔

"گڈ مورننگ"۔ وہ خوشگواری سے بولا۔

"ہیلو"۔ اس نے بھی دھیرے سے کہا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہوں۔ شکریہ"۔

"سیج کب کھل رہے ہیں؟" اس نے مزید پوچھ لیا۔

اور دھنک کو لگا وہ اسے چلتا کرنے کی سوچ رہا تھا۔

بات ٹھیک بھی تھی۔ وہ یہاں کوئی بلائی گئی مہمان تھوڑی تھی۔

"دو تین دن بعد مگر میں.... کل چلی جاؤنگی۔ میری طبیعت اب بالکل ٹھیک ہے"۔

ایک لحہ کو وہ چپ سا ہو گیا۔

"ڈاکٹر سے بات کی ہے کل جانے کی"۔

"آج آئینگے تو کروں گی"۔

تبھی نہ اچانک کہیں سے فخر عالم کا دوست کامران آ نکلا۔

"یار اتنی سردی میں کیا کرنے نکلے ہو۔" وہ اوور کوٹ کے اوپر گرم ٹوپی پہنے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے بولا۔ پھر جیسے یکدم ہی دھنک پر نظر پڑی۔ "اوہ ــــ ہیلو۔" وہ سنجیدہ ہو گیا متانت سے بولا۔

"ہیلو۔" وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"ارے ــــ آپکے دانت کچھ زیادہ ہی خوبصورت نہیں ہیں؟"

وہ سرخ سی ہو گئی۔

"میں ہمیشہ سچ بات کہتا ہوں۔ آپ تمام کی تمام یعنی ساری کی ساری بہت خوبصورت ہیں اور خوبصورت چیز کی تعریف نہ کرنا کفران نعمت ہے...

اس دوران فخر عالم بالکل سنجیدہ تھا۔

"اب جاؤ ــــ ناشتہ لگ چکا ہوگا۔" اس نے کامران کو مخاطب کیا۔

"ٹھہرو یار بات کرنے دو۔" بائے دا وے آپکا نام کیا ہے مس؟"

"دھنک۔" وہ دونوں دوستوں کی کھینچا تانی پر پھر مسکرا دی۔

"یعنی توس و قزح یعنی رین بو۔ گوڈ ــــ کتنا حسین نام ہے۔ کیوں فخر عالم؟"

وہ خاموش رہا۔ جھکتے ہوئے اپنے کتے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

کامران کی عقل میں شاید آ ہی گیا کہ فخر عالم اس معاملے میں کوئی رائے دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔

"اچھا Pretty lady ہم چلتے ہیں۔ یہ مجھے زبردستی لے جا رہا ہے ورنہ میرا دل نہیں چاہتا ایسی Doll like لڑکی کو چھوڑ کر جانے کو۔"

وہ اسکی صاف دلی پر مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

"باپ رے یہ دانت، دکھانا ذرا فخر عالم کو یہ بھی یہیں رہ جائیگا۔"

"چلو" فخر عالم سیدھا ہوتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

اور ___ دونوں چل دیئے۔

دھنک دیر تک ادھر ادھر گھومتی رہی۔ پھر ناشتے کیلئے واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ لگتا تھا فخر عالم اور کامران دونوں اس کی طرف سے ہوتے ہوئے گزرے تھے۔ کیونکہ آج پھر فخر عالم کی مخصوص پرفیوم کمرے کے باہر سے لیکر اندر تک مہک رہی تھی۔

ناشتہ میز پر لگ چکا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے توسٹ پر مکھن لگانے لگی۔

تبھی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

اٹھ کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر آتے ہوئے اس نے ریسیور اٹھالیا۔

"لیں۔"

"سوری میڈم! آج اخبار نہیں آیا۔" قیوم تھا۔ معذرت خواہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اوہ۔ کوئی بات نہیں۔" حالانکہ اخبار کے بغیر اسکا دن گزارنا مشکل ہو جاتا تھا۔

"اور کوئی حکم میڈم؟"

"نو تھینک یو۔"

اور ریسیور رکھتی ناشتے کی میز پر آ گئی۔

ناشتے سے فارغ ہوئی ہی تھی۔ کہ ڈاکٹر آ گیا۔ ساتھ میں فخر عالم بھی تھا ___ گرے پینٹس اور گرے چیتی پل اوور پہنے ہمیشہ کی طرح شاندار لگ رہا تھا۔ وہی پہلے دن والی بے نیازی سے کھلی کھڑکی کے پٹ سے ٹک کر باہر جنت نشان نظاروں کو دیکھ رہا تھا۔

"ڈاکٹر! میں کل واپس جانا چاہتی ہوں۔" دھنک نے آہستہ سے ڈاکٹر سے کہا۔

"کیوں؟" وہ اسکا ہاتھ ہاتھ میں لئے کلائی کے پاس کے نیل دیکھ رہا تھا۔ جیسے چونکتے ہوئے بولا۔

"کافی وقت ہو گیا۔ یہاں نیچے میری آنٹی رہتی ہیں اکے یہاں بھی جانا ہے۔ پھر

واپس بھی لوٹنا ہے۔"

"نہیں ___ آپ نہیں جا سکتیں۔" ڈاکٹر اسکی آنکھوں میں جھانکا۔ اور ___

فخر عالم نے اچانک رخ اندر کی طرف کرلیا۔

دھنک کا ہاتھ اب بھی ڈاکٹر تھامے تھا۔

اب بھی اسکی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ ہاں البتہ دھنک کی آنکھیں جھک گئی تھیں، سیاہ خمیدہ پلکوں نے آنکھوں پر سایہ کرلیا تھا۔

"کیوں ڈاکٹر؟"

اسکا لہجہ کچھ درشت سا تھا جیسے۔ یا پھر یوں ہی دھنک کا خیال تھا۔ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

ڈاکٹر نے دھنک کی کلائی چھوڑ دی۔

"وہ ___ سر! جس ڈاکٹر سے ٹانکے لگے ہوں وہی کھول دے تو ظاہر ہے بہتر ہے..."

کوئی بات تھی جو ڈاکٹر گلٹی سا لگ رہا تھا۔

"ہوں۔" کچھ تھا اسکے لب و لہجے میں، اسکی نظروں میں ___ تنبیہ، ممانعت سی۔ جسے دھنک نظر انداز نہ کرسکی مگر ___

کوئی نام بھی نہ دے سکی۔ کہ اس نے فوراً رخ واپس کھڑکی کی طرف کرلیا تھا۔

"اوکے ڈاکٹر ___ سٹیچ کھولنے پھر آجانا۔" کہتے ہوئے وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

"چلیئے اب تو مسٹر فخر عالم نے بھی کہہ دیا ہے۔ اب تو آپکو رکنا ہی پڑیگا۔"

وہ نہ تو مسٹر فخر عالم کی پابند تھی۔ نا ہی اس ڈاکٹر کے بدلے بدلے رویے کی۔

لیکن وہ چپ رہی۔ کیا کہتی؟

رات مطلع صاف تھا۔ پورا چائنہ جنگل، کوٹھی اور گیسٹ ہاؤس کو نرم و خنک چاندنی سے منور

کررہا تھا۔ چیڑ وصنوبر کے اونچے اونچے درختوں میں سے جھانکتا یہ بڑا چاند ــــ جیسے پورے ماحول کو سحر میں لے رکھا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جیکٹ پہنتے ہوئے باہر نکل آئی۔ تھوڑا آگے نکلتے ہوئے چیڑ کے درخت سے ٹیک لگا کر اوپر چاند کو تکنے لگی۔

تبھی قریب ہی قدموں کی آہٹ ہوئی۔

اس نے چونک کر دیکھا۔

دودھیا چاندنی میں نائیٹ سوٹ پر ہاف لینتھ گرم گاؤن پہنے جیبوں میں ہاتھ دیئے فخر عالم آرہا تھا۔

"آپ... اس وقت... یہاں کیسے آئی ہیں۔" وہ ملائمت سے بولا۔

"جیسے... آپ آئے ہیں۔" جانے کیسے اسکے منہ سے نکل گیا۔

"اوہ۔" اسے جیسے اچھا لگا۔ "میں تو چاند دیکھنے آیا ہوں۔"

"میں بھی چاند دیکھنے آئی ہوں۔"

"چلیے اس ایک بات میں تو ہم دونوں میں اتفاق ہے۔"

وہ چپ رہی۔ چاند کو تکتی رہی۔

"یہاں آپکو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" اس نے پھر کہا۔

"جی نہیں۔ بلکہ میں آپکی بہت تھینک فل ہوں۔ مجھے بہت آرام ہے یہاں۔" اس نے اسکا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھا۔

"اگر آپکو یہاں آرام ہے تو پھر جانے کا کیوں کہہ رہی ہیں۔"

دھنک نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا ــــ یہ چٹان سے تراشا بت پگھل کیسے رہا تھا!

"جانا تو ہے نا۔"

"وہ تو ہے پر۔" وہ جیسے الفاظ ڈھونڈنے لگا۔ "اپنے ٹانکے تو کھلوا کر جایئے۔"

"مجھے آج یہاں تین دن پورے ہوگئے۔ میری آنٹی پریشان ہورہی ہونگی اور... اور...

گھر والے بھی۔"

گھر والے کہہ کر اس نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ کہ وہ یہ تو کہہ نہیں سکتی تھی کہ وہ پریس کے مشن پر آئی تھی اور اب اسکا مشن پورا ہو چکا تھا۔ اب مزید یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

"ٹانکے تو کہیں بھی کھلوائے جاسکتے ہیں۔" اس نے مزید کہا۔

"تو۔" اسکے لہجے میں اچانک تیزی آگئی۔ تحکم آگیا۔ "ٹانکے یہیں کھلیں گے۔ اور جب تک تم مکمل ٹھیک نہیں ہو جاتیں۔ نہیں جاسکتیں یہاں سے۔"

اور ــــ وہ اچانک مڑ کر چل دیا۔

وہ حیران سی اسے تکتی رہ گئی۔

آج دس بجے اسکے نانا کے کمل جانے تھے۔ اسکے بعد اس نے چلے جانا تھا۔ بیڈ ٹی پی کر وہ اٹھی۔ صاف کپڑے پہنے۔ گھنے خوبصورت بالوں میں برش کیا۔ جیکٹ پہنی اور کپڑوں پر اپنی پسندیدہ کلون سپرے کرتے ہوئے ہشاش بشاش سی کمرے سے باہر نکل آئی۔

سامنے ہی گھر خاصی دور ڈھلان پر سفید ڈیزیز ہی ڈیزیز بکھرے دیکھ کر اسے یاد آیا ۔۔۔ انکا سکیچ سا تو کم از کم کسی چیز پر جلدی جلدی اتار لے۔ بعد میں گھر جا کر وہ اسے کینوس پر اتار سکتی تھی۔ آس پاس کا ماحول رف سا اتار لیتی ساتھ ہی دو ایک پھول۔ باقی وہ گھر پہنچ کر کرتی رہتی۔ یہی سوچ کر وہ واپس کمرے میں آئی۔ ناشتے میں ابھی دیر تھی، بلکہ اس نے خود ہی بیرے سے کہا تھا ناشتہ دیر سے لایا کرے۔ بیڈ ٹی تو وہ ویسے بھی لے چکی ہوتی تھی۔

اپنے برش اور پینٹس لے کر وہ باہر آئی۔ ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ جلد ہی اسے درخت کے تنے کا گولائی میں صفائی سے کٹا ہوا ٹکڑا مل گیا۔ پرلی طرف درختوں کی کٹائی وغیرہ کا کام ہوتا تھا وہیں تنے شاید ادھر تک آ پہنچا تھا۔ خلاف توقع اسے اچھی چیز مل گئی تھی۔ تقریباً گول پلیٹ سی۔ بلکہ اس پر رف سکیچ لیکر وہ گھر جا کر اسی کو درست کر لیتی۔ لکڑی کے ٹکڑے پر اور نیچرل لگتا!

بیچ جنگل ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر اس نے لکڑی کا ٹکڑا گھٹنوں پر رکھا اور جلدی جلدی ایک سفید کوٹ دیکر اسے خشک کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ کچھ گزارے لائق ہوا تو کام شروع کر دیا۔ کہ دوسرے تیسرے کوٹ اور زیادہ تفصیل میں جانیکا اسکے پاس وقت نہیں تھا۔ جلدی جلدی سامنے کے ڈیزیز والی ڈھلان کے آس پاس والی کھائی، درخت، ڈھلان کے بیچ میں سے گزرتی پگڈنڈی، ڈھلان کے اوپر چوٹی پر بنے چند سفید چمکتی ٹین کی چھتوں والے چھوٹے موٹے مکانات۔ اور پھر ڈیزیز کی باری آئی تو ڈھلان پر پہلے تو ان گنت سبز رنگ

کے پتلے پتلے تنے بنائے۔ پھر نازک نازک شاخیں۔ اور پھر ہر شاخ کے اوپری سرے پر ڈیزی کے سفید پھول کی جگہ برش سے سفید دھبے بناتی گئی۔ بعد میں وہ انہیں باقاعدہ ڈیزی کے پھولوں میں بدل لیتی۔ پھر اچانک خیال آیا اسکے آس پاس بھی چند پھول اگے تھے۔ ان میں سے ایک توڑ کر وہ اسے تفصیل سے بنا لیتی۔ کتنی پتیاں تھیں اس میں، درمیان والی زردی کا کتنا حصہ تھا وغیرہ۔ بعد میں پھر باسانی باقی پھولوں کو اس کی شکل کا بنا سکتی تھی۔ لکڑی کا پیس اور برش پینٹس وغیرہ پتھر پر رکھ کر وہ نیچے اتر آئی۔ ہاتھ بڑھا کر ایک پھول بمعہ کچھ نازک سی شاخ کے توڑ لیا۔

''اوں ہوں''۔ جانے کہاں سے فخر عالم آ پہنچا تھا۔ وہی نائیٹ سوٹ پر خوبصورت ہاف لینتھ گاؤن لئے۔ وہی شرٹ کے اوپر کے چند کھلے بٹن، اس میں سے جھانکتا اسکا مردانہ وجاہت کا غماز سینہ ۔۔۔ دھنک کی نظریں جھک گئیں۔ ''پھول توڑنا منع ہے تمہیں معلوم نہیں۔'' اسکی جھکی نظروں کو تکتا وہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بولا۔

''یہ... بھی...'' ان سے تو جنگل بھرا پڑا تھا۔ وہ پودے پر ہنوز جھکی نظریں اوپر اٹھاتے ہوئے بولی۔

''ہاں ۔۔۔ یہ بھی،،۔'' اسکا چہرہ سنجیدہ آنکھیں شوخ تھیں۔ گاؤن کی جیبوں میں ہاتھ دیئے سامنے دیکھ رہا تھا۔

جانے کیوں دھنک کے خوبصورت چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

اسی طرح جھکے جھکے اس نے پھول کے شاخ کی اسکے باقی حصے کیساتھ گرہ لگا لی۔

اور ۔۔۔ فخر عالم اسکی اس حرکت پر اچانک زور سے ہنس دیا۔

وہ وہیں بیٹھے بیٹھے حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''نام آتا ہے اسکا؟'' وہ خوشگواری سے پوچھنے لگا۔

''نہیں۔'' وہ اب بھی وہیں بیٹھی تھی۔ چہرہ پھولا پھولا سا تھا۔ اس نے 'ہاں' کہنا ضروری نہیں سمجھا۔

"Day's Eye." کہتے ہیں اسکو۔" وہ اس کے پھولے پھولے چہرے کو دیکھتا مسکرا کر بولا۔

Day's Eye کا تو اسے واقعی علم نہیں تھا۔ ڈیزی کہتے تھے سب۔

"اور تم جیسوں نے زیادہ لاڈ سے انہیں ڈیزی بنا دیا ہے ــــ پینٹ کر کر کے۔"

وہ ایک نظر اسکی پینٹنگ پر ڈالتے ہوئے آہستہ سے آگے بڑھ گیا۔

وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے اپنی پینٹنگ پر ڈیزی بنائی اور تمام چیزیں سمیٹ کر کمرے میں واپس آ گئی۔

ناشتہ کیا۔ ٹھیک دس بجے ڈاکٹر نے آ کر ٹانکے کھولے۔ اور اب وہ جانے کو تیار تھی۔

اس نے اپنا مختصر سا سامان اکٹھا کیا۔ بیگ کندھے سے لٹکایا اور فخر عالم کے گھر کی طرف چلی ــــ اسکا شکریہ تو اس نے بہر حال ادا کرنا تھا۔

وہ گھر میں نہیں تھا۔ جنگل میں کام دیکھنے گیا تھا۔ وہ وہیں چل دی۔ بڑے بڑے درختوں کی مشینوں سے کٹائی ہو رہی تھی۔ ایک طرف تختے تراشے جا رہے تھے۔ پاس ہی دریا میں درختوں کے کٹے تنے پانی کے بہاؤ کے رخ چلے جا رہے تھے۔

فخر عالم وہیں موجود تھا۔ بج کلر پینٹ اور بج ہی رنگ کے فر کی لائننگ والے جیکٹ میں ملبوس بہت ڈشنگ لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر پاس چلا آیا۔

"مسٹر فخر عالم! میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ اور گھر جا رہی ہوں۔" وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔ کچھ دیر قبل کی تو تو میں میں سب بھلا کر۔

"سیچز مکمل گئے؟"

"بالکل مکمل گئے۔" وہ مسکرا دی۔

"ٹھیک ــــ اب میں تمہیں روک نہیں سکتا۔" وہ بھی مسکرایا۔

اسکی بات کے انداز میں، اسکی مسکراہٹ میں، بے پناہ کشش تھی، مقناطیسی قوت تھی۔

کاش! وہ اچھا آدمی بھی ہوتا!

"آپ نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔ I am so grateful to you."

"Oh no, it was no problem at all." تم ہماری مہمان تھیں۔ مہمان کا خیال رکھنا تو فرض بنتا ہے۔" وہ قدرے رکا، کچھ سوچا پھر مسکرایا۔ "بائے داوے، مس! تمہارا یہاں نزول کیسے ہوا؟ کہاں سے آئیں؟ کس سلسلے میں آئیں؟" وہ مسکرا مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

وہ قدرے گڑبڑائی، پھر خود کو سنبھالا۔

"بڑی جلدی خیال آیا۔" وہ مسکرا دی۔

"چلو دیر سے سہی بتا تو دو۔ کیوں آئی تھیں؟ کیسے آئی تھیں؟..." اسکی آنکھوں میں شوخ سی چمک تھی۔

وہ ہنس دی۔

"آپ تو یوں سب پوچھ رہے ہیں جیسے کوئی پریس رپورٹر کسی کا انٹرویو کر رہا ہو۔"

اور ــــ فخر عالم کا جاندار قہقہہ بلند ہوا۔

"نہیں ــــ ایسی بات نہیں ہے۔ پریس رپورٹرز سے تو میں خود الرجک ہوں۔"

"اوہ۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ "اچھا اب چلتی ہوں۔"

"آپ میرا سوال گول کر گئی ہیں"۔

"آں... میں دراصل... نیچے گاؤں میں اپنی آنٹی کے پاس آئی تھی۔ آپکا جنگل خصوصاً یہ ڈیزیز والی ڈھلان۔" اس نے اس ڈھلان کی طرف اشارہ کیا جس پر وہ دونوں اس وقت کھڑے تھے۔ "مجھے Fascinate کر گئی ــــ سوچا پینٹ کر لوں۔ مگر یہ پتہ نہیں تھا کہ چند گھنٹوں کی جگہ کئی دن لگ جائینگے"۔

"ہوں؟" اسکی گھنی بھنویں سوالیہ اوپر اٹھ گئیں، آنکھوں کی چمک مزید بڑھ گئی۔

"جی ہاں۔" وہ مسکرائی۔ "اچھا خدا حافظ"۔

اور ــــ قریب ہی انہی بڑے بڑے پتھروں سے دریا پار کرنے لگی جن سے یہاں آتے

آتے ہوئے کراس کیا تھا۔

"خدا حافظ"۔ فخر عالم نے کہا۔

اور اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

وہ اس پار پہنچی تو غیر ارادی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ فخر عالم وہیں کھڑا تھا۔

ہاتھ سے اسے Wave کیا اور مڑ کر اپنے کام کی طرف جانے لگا۔

دھنک نے بھی ویو کا جواب ویو ہی سے دیا اور تیزی سے آنٹی کے گھر کی طرف بڑھنے لگی ۔۔۔ آج شام کی ٹرین سے اس نے واپس جانا تھا۔

اس رات اسے آنٹی نے زبردستی روک لیا تھا۔ اگلے دن وہ شام کو ٹرین میں بیٹھی، وہی دو دن کا سفر ۔۔۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے جب وہ اپنے فلیٹ میں پہنچی۔

رات جوں توں کر کے آنکھوں میں کاٹی۔ اس پر عجیب سی خوشی، مانو کھی سی سرشاری طاری تھی۔

آج وہ آفس جائیگی۔ اشفاق انکل اسکا خط پا کر کتنے متحیر کتنے خوش ہو نگے۔ پھر ڈسکشن ہوگی۔ اور اگلے دن میگزین میں بڑے بڑے حروف میں مسٹر فخر عالم کے متعلق سرخی چھپے گی، دھنک کے نام کیساتھ!

اور وہ آصف کی بھی تو خبر لے گی۔ کیسے مسٹر فخر عالم کا سائیڈ لیتا تھا۔ سرے سے اسے مجرم گردانتا ہی نہیں تھا۔

'تم کیوں اسکے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہو۔ کورٹ نے فیصلہ دے دیا بس دے دیا۔ ضروری ہے بہن قتل ہوئی تو بھائی بھی ختم ہو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے' اسے آصف کے الفاظ یاد آئے۔

اچھا شرمندہ ہوگا۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔

وہ صبح صبح تیار ہوئی۔ خاصی خنکی ہو رہی تھی یہاں بھی۔ گرمی دم توڑ چکی تھی اور صبحیں خنک بستہ ہو چکی تھیں۔ دن گھٹ رہے تھے اور شامیں سرد ہو چلی تھیں۔

موسم کی مناسبت سے اس نے رنگ برنگے پھولوں والے کپڑے پہنے، میچ کرتا دوپٹہ لیا، ہلکا سا گرے رنگ کا بغیر آستین سویٹر پہنا اور گھنے خوبصورت بالوں میں برش کرتے ہوئے کندھے سے اپنا ہینڈ بیگ لٹکاتی کچن میں فرزانہ کی طرف گئی۔

"قیامت ڈھا رہی ہو آج۔ کس کی شامت آئی ہے؟" فرزانہ اسے توصیفی نظروں سے

دیکھتے ہوئے اسکے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے بولی۔

وہ دونوں صبح کے وقت یوں ہی جلدی میں کچن میں ہی ناشتہ کرلیا کرتی تھیں۔

"آج بہت جلدی میں ہوں"۔اس نے کپ ہونٹوں سے لگایا۔"واپس آ کر بتاؤں گی سب"۔

"یعنی سچ مچ کسی کی شامت آئی ہے؟"

"ہاں"۔وہ مسکرا دی۔

"کچھ تو بتاؤ نا"۔اسے تجسس ہوا۔

"کچھ نہیں"۔سارا بتاؤں گی مگر آفس سے آ کر"۔اس نے خالی کپ میز پر رکھا اور ـــــ دروازے کی طرف بڑھی۔

آفس پہنچ کر وہ سیدھی چیف ایڈیٹر کے آفس میں آ گئی۔

"السلام علیکم سر"۔وہ خوش خوش بولی۔

"وعلیکم سلام۔بیٹھو بیٹا۔"انہوں نے اپنے سامنے کی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔"سناؤ کیا حال چال ہیں۔کچھ کامیابی ہوئی یا نہیں؟"اپنے سامنے کی کھلی فائل بند کرتے ہوئے وہ تجسس نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

وہ کچھ الجھ سی گئی۔پورا حال تو وہ خط میں لکھ چکی تھی۔اور کامیابی؟اس سے بڑھ کر کامیابی کیا ہوتی تھی؟

"سر خط میں میں نے سارا لکھ تو دیا تھا۔"

"خط؟کون سا خط؟"

کہیں سر مذاق کے موڈ میں تو نہیں تھے۔

"سر پلیز!میں آپ کو کئی دن پہلے خط بھجوا چکی ہوں۔اس میں میں نے ہر بات لکھ دی تھی۔اپنے مشن میں کہاں تک کامیاب ہوئی ہوں یہ آپ سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے"۔

"تمہارا فون آیا تھا وہ بھی کچھ ادھورا ادھورا سا۔لیکن خط تو مجھے کوئی نہیں ملا۔"وہ سنجیدگی

سے بولے۔

"میرا خط آپکو نہیں ملا؟"وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"نہیں بیٹی۔ملا ہوتا تو میں چھپاتا کیوں؟ہاں یہ۔"انہوں نے قریبی دراز کھولا۔"ابھی ابھی تمہارے نام ایک خط آیا ہے۔"انہوں نے خط کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ تو ٹھیک ہے مگر میرا خط کہاں گیا؟"وہ پریشان سی لفافہ کھولنے لگی۔

خط انگریزی میں لکھا تھا اور اسکا متن کچھ یوں تھا!

"میڈم رپورٹر!

تم میرے گھوڑے کے ٹاپوں میں آ کر گری تھیں تو مجھے سخت حیرت ہوئی تھی۔میرے علاقے میں کسی لڑکی کا کیا کام؟اور وہ بھی بغیر کسی اطلاع یا اپوائنٹمنٹ کے ـــــ پھر تمہارے قریب زمین پر گرا پینٹنگ برش دیکھ کر مجھے خیال آیا تم کوئی ٹورسٹ ہو،میرے قاعدے اصولوں سے ناواقف ہو۔یہ جنگل یا کوئی سینری تمہیں اچھی لگی تھی اور تم اسے پینٹ کرنے آئی تھیں۔مگر ـــــ

چوٹوں کی تکلیف سے تم نے غنودگی میں جب امی امی پکارا تو میں چونک اٹھا۔یہ آواز میں نے کہیں سنی تھی۔کہاں؟کسی طرح یاد نہیں آ رہا تھا۔سارا دن بار بار دماغ پر زور دیا۔مگر یاد نہیں آیا۔جبکہ یہ بات اپنی جگہ مسلم تھی کہ تمہاری آواز میری سنی ہوئی تھی۔

میں محتاط ہو گیا۔اپنے گارڈز اور ملازموں کو چوکنا کر دیا۔اور پھر ـــــ اگلے دن میرا دوست کامران آیا تو ہمیں ایک فون نمبر کی ضرورت پڑی۔جو اس نے پچھلی بار گیسٹ روم کے اسی کمرے میں جہاں تم مقیم تھیں اپنے قیام کے دوران الماری شیلف میں بچھے اخبار کے ایک کونے پر لکھا تھا۔میں تمہارے کمرے میں آیا،دستک دی۔کوئی جواب نہ پا کر میں سمجھ گیا تم کہیں باہر ہو۔نمبر چونکہ ہمیں بہت ضروری چاہیے تھا۔اس لئے مجبوراً میں اندر گیا،سیدھا الماری کی طرف۔الماری کھول کر اخبار الٹ پلٹ کرنے لگا۔نمبر بھی مل گیا مگر ساتھ ہی تمہارا لکھا ہوا نوٹ بھی اور ـــــ

مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا!

'کیا واقعی آپ بے گناہ ہیں یا آپکی بے پناہ دولت آپکو بے گناہ ثابت کرنے میں معاون ہوئی ہے؟ آپکی چپ کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ قتل آپ نے ہی کیا ہے؟' طنز، حقارت اور زہر اگلتی یہ آواز میرا پیچھا کر رہی تھی۔

میں نے تمہاری شکل تو نہیں دیکھی تھی پر تمہاری آواز میرے لاشعور میں محفوظ ہو گئی تھی اور اب میں سمجھا تم کس مقصد سے آئی تھیں۔

میں نے نوٹ وہیں رہنے دیا۔ کہ اب میں سب سمجھ گیا تھا۔ پڑھ کر کوفت تو ضرور ہوئی مگر اب میں اس انتظار میں تھا کہ تم کب اسے مکمل کرتی ہو اور کب پوسٹ کرتی ہو۔

میڈم تم نے رات کو لاش ٹرک میں ڈالتے دو آدمیوں کو دیکھا تھا۔ میں نے بتیاں بھی نہیں جلائی تھیں، ٹورچ سے کام لے رہا تھا۔ ان میں سے ایک آدمی کو لاش ٹھکانے لگانے رقم دی تھی ساتھ ہی کچھ ہدایات بھی تو ـــ

Madam Detectivel وہ لاش ان دو آدمیوں کی والدہ کی تھی۔ ہارٹ فیل ہونے سے فوت ہوئی تھیں۔ اور لائیٹ اس وقت فیل ہوئی تھی میں بتیاں کیا جلاتا۔ ٹورچ اسلئے استعمال کیا کہ روشنی کی ضرورت تھی۔ آدمی کو رقم اسلئے دی کہ وہ اپنے گاؤں پہنچ کر اپنی والدہ کی تجہیز و تکفین کر سکے۔ اپنے ہر بندے کی اس قسم کی ضروریات میرے ہی ذمے ہیں اسکے علاوہ کسی کو قتل کر کے لاش ٹرک میں دھکیل جاتی ہے۔ سفید چادر سے ڈھانپ کر احترام کے ساتھ چارپائی پر نہیں رکھی جاتی۔ بہرحال ـــ تمہارا قصور نہیں تم یقیناً اس وقت خوفزدہ ہو گئی تھیں۔

پھر تم نے لکھا تھا۔ کہ تم اس انتظار میں ہو کہ کسی طرح تمہیں پر پتہ چل سکے کہ اپنی بہن کو میں نے ہی مارا ہے اور یہ کہ اسی دن تم انہیں فون بھی کرنے والی ہو۔

اب میں تو تمہاری حرکات و سکنات پر نظر رکھنے لگا تھا۔ تمہیں یاد ہوگا تمہارے فون کرتے وقت میں مسلسل وہاں موجود رہا تا کہ تم ایڈیٹر کو کوئی اطلاع نہ دے سکو۔ اور ـــ اسی

رات میں نے اپنے باتھ روم کی کھڑکی میں سے تمہیں درخت پر چڑھتے دیکھا۔ روشنی مدھم سہی تمہارے ہاتھ میں ٹیپ ریکارڈر میں نے دیکھ لیا تھا۔ میں فوراً کمرے میں آیا کامران کو جلدی جلدی بات سمجھائی۔ میں شراب نہیں پیتا، صرف تمہیں دکھانے کو میں نے دو گلاسز میں کوک ڈالی، اسے بھی پکڑائی اور خود بھی گلاس تھام لیا۔ بہرحال تمہاری ہر مشکل میں نے اسی وقت حل کر دی۔ سمینہ میری بہن کے قتل کا اقرار بھی کیا۔ پھر فون کی گھنٹی بجی، ریسیور اٹھاتے ہی وہ آگے سے بند ہو گیا۔ تم نے دیکھا بھی ہوگا میں چند لمحے ریسیور کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک خیال آیا قاتل تو سمجھتی ہی ہو سمگلر بھی سہی۔ میں بند فون پر ایک سمگلر کی ایکٹنگ کرتا رہا۔ رہی سلمٰی والی بات تو وہ محض گپ تھا اور کچھ نہیں۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تمہیں بیوقوف بنانے کیلئے میں کیا کیا نہ بنا؟

میری عین توقع کے مطابق تم نے خط مکمل کر کے قیوم کو پوسٹ کرنے دیا۔ وہ میں نے اس سے لے لیا۔ پوسٹ ہونے نہیں دیا۔ اور تم اپنا ٹیپ ریکارڈر بھی دیکھ لو۔ اس میں بلینک کیسٹ ہوگا۔ تمہارا والا میرے قبضے میں ہے۔ تمہارے کمرے میں آ کر میں نے بدل لیا تھا۔

'وہ قاتل ہے، سمگلر ہے، شرابی ہے، عورتوں سے کھیلتا ہے۔ اتنے بہت سارے اور اتنے خوبصورت Compliments کیلئے میں تمہارا مشکور ہوں۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ اگر میں اتنا پست و ذلیل تھا تو تم کیسے یہاں حفاظت سے رہ پائیں؟

تمہیں چند روز قبل اخبار پڑھنے کو نہ مل سکا۔ اسی اخبار کی ایک کٹنگ اس خط میں بھیج رہا ہوں۔ تم پر واضح ہو جائیگا کہ اخبار میں نے کیوں روکا تھا۔"

خط چھوڑ چھاڑ اس نے اخبار کی کٹنگ جو میز کے نیچے جا گری تھی اٹھالی۔

'سمینہ قتل کیس کے ملزم نے اقبال جرم کر لیا'

سرخی کے بعد اس نے تفصیل پر نظر دوڑائی۔

'سمینہ کا منگیتر جو اسکا ماموں زاد بھی تھا۔ سمینہ کا قاتل تھا۔ دراصل قاتل کا نشانہ سمینہ کا بھائی مسٹر فخر عالم تھا۔ فخر عالم کو ختم کر کے وہ سمینہ کے ذریعے تمام جائیداد کا واحد مالک بننا چاہتا تھا۔

مگر بدقسمتی سے مسز فخر عالم کے بستر میں مس سمینہ سو رہی تھیں۔ جنہیں چاقو سے پے درپے وار کر کے ختم کر دیا گیا۔'

"جی۔ مسز فخر عالم کی بہن کو تو اسکے منگیتر نے قتل کیا ہے۔ اخبار میں پڑھا ہوگا تم نے..."

ایڈیٹر اشفاق کی آواز پر وہ چونکی۔

"جی... جی... ہاں۔" خود کو بمشکل سنبھالتے ہوئے اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا لیا۔

چند لمحے کے بعد آگے بڑھتے ہوئے میز پر رکھے جگ میں سے پانی گلاس میں ڈال کر پینے لگی۔ شاید ایسے ہی حواس درست ہوں، کام کرنے لگیں۔

اس نے ہاتی کے خط پر نظر ڈالی۔

تم ایک رپورٹر ہو بجائے غصے کے تمہاری یہ ادا مجھے اچھی لگی۔ اسی لئے مجھے بھی یہ سب کرنے میں مزا آ رہا تھا، اچھا لگ رہا تھا سب۔

تمہاری جرنلزم امید ہے ابھی جاری ہوگی۔

خدا حافظ۔

قاتل، سمگلر، شرابی، وومنائیزر، جو بھی سمجھو!"

جانے ہاتی کا وقت اس نے آفس میں کیونکر گزارا؟

چکراتے ذہن، گھومتے سر اور ڈگمگاتے قدموں سے وہ فلیٹ پر پہنچی تو اپنا ہینڈ بیگ ایک طرف اچھال اپنے بستر پر اوندھی پڑ رہی۔

آنکھ کھلی تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا اور سٹریٹ پر کے لیمپ روشن ہو چکے تھے۔

فرزانہ چائے بنا کر بیٹھی اسی کی منتظر تھی۔ وہ بھی جلدی سے ہاتھ روم گئی۔ منہ دھویا اور واپس آ کر فرزانہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

فرزانہ نے اسکے کپ میں چائے ڈالی۔

"جب سے آئی ہو کچھ کھوئی کھوئی سی لگ رہی ہو کیا بات ہے۔" فرزانہ اپنی چائے میں چمچ چلاتے ہوئے اسکے چہرے کو بغور دیکھتی بولی۔

"آں ــــ نہیں تو۔" وہ گڑبڑا سی گئی۔

وہ واقعی اپنے حواسوں میں نہ تھی۔ وہاں کا قیام قدم قدم پر فخر عالم کی جاسوسی۔ اسکو فوراً ہی اس کے رپورٹر ہونے کا علم ہو جاتا۔ دوست کیلئے فون نمبر ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسکے نوٹس پڑھ لینا جو اس نے ایڈیٹر کو لکھے تھے۔ پھر جب وہ فون کرنے گئی تھی وہ بڑے خوشگوار موڈ میں ملا تھا، مطلب اس کو سب پتہ تھا۔ پھر تمام وقت وہیں بیٹھے رہنا کہ وہ فون پر کچھ کہہ نہ سکے۔ رات کو اسے درخت پر چڑھنے اور بالکنی میں اترتے وقت اسکا فوراً اپنے دوست سے ساز باز کرنا، گلاس میں ڈرنک لینا، اپنی بہن کے قتل کا ذکر کرنا، بند فون پر سمگلنگ کی باتیں کرنا، فرضی سلمیٰ کا انتظار کرنا ــــ اور ــــ

وہ نک سمجھتی رہی کہ اس نے میدان مار لیا۔

پھر ــــ وہ پراسرار قسم کے گارڈز ــــ انکی عجیب سی اسے گھورتی نظریں۔

دو دفعہ اسکے کمرے میں سے فخر عالم کی مخصوص پرفیوم کی مہک آتا ــــ تب بھی وہ سمجھ نہ سکی کہ معاملہ کیا تھا؟ ایک بار وہ کمرے میں فون نمبر ڈھونڈتے اسکا ایڈیٹر کے نام ادھورا خط پڑھ گیا تھا ــــ دوسری بار وہ کیسٹ لینے آیا تھا جس میں انکی بظاہر ڈرنک ہو کر باتیں کرنے کا تمام ثبوت تھا۔

'By the way Miss! تمہارا یہاں نزول کیسے ہوا؟ کہاں سے آئیں؟ کس سلسلے میں آئیں؟' وہ مسکرا مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ بلکہ ــــ

اب سوچتی تھی تو اسکی مسکراہٹ میں ایک فاتح کی سی شان تھی۔

'بڑی جلدی خیال آیا۔' اس نے کہا تھا۔

'چلو دیر سے سہی بتا تو دو۔ کیوں آئی تھیں؟ کیسے آئی تھیں؟' اسکی آنکھوں میں شوخ چمک تھی۔

گویا اسے سب خبر تھی۔ پھر بھی اسکے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

'آپ تو یوں سب پوچھ رہے ہیں جیسے کوئی پریس رپورٹر کسی کا انٹرویو کر رہا ہو۔'

وہ پریس سے تعلق رکھتی تھی۔ رپورٹر تھی۔ زبان پر بات آ ہی گئی۔

اسکا جاندار قہقہہ اس وقت بھی اسکے کانوں میں گونجا۔

وہ جانتا تھا وہ رپورٹر تھی، جبھی تو دوسروں کی سیدھی بات میں بھی رپورٹنگ کا پہلو نظر آتا تھا۔

'نہیں ___ ایسی بات نہیں ہے۔ پریس رپورٹرز سے تو میں خود الرجک ہوں۔'

'اوہ۔ وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔ دل میں سوچا تھا اسے کیا خبر رپورٹر اسکے سامنے کھڑی تھی۔

"کچھ تو ہے۔"

وہ فرزانہ کی بات پر چونکی۔

"دراصل گھر گئی۔ بڑے مزے کے چند دن گزارے مگر آخری دن پاس پڑوس میں کسی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ دو بندے ختم ہو گئے۔ بس وہی سب ذہن میں بسا ہوا ہے۔" اس نے بات بنائی۔

"چلو بس اب اور نہ سوچو۔ یہی ہے جس کو زندگی کہتے ہیں۔ انسان بے بس ہے کر بھی کیا سکتا ہے۔" فرزانہ نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

دراصل دھنک کنفیوزڈ تھی۔ سب الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ وہ کتنے طمطراق سے گئی تھی اور بنا کیا؟

اسکے دل میں اس شخص کیلئے بے پناہ نفرت تھی ___ اسکے کرتوت اسے پاگل کئے دیتے تھے۔ اسکی ٹھاٹ باٹ، آن بان، شان شوکت سے اسے آگ لگتی تھی مگر ___

وہ تو ایسا نہیں تھا ___ بلکہ اسکے برعکس تھا!

بہرحال اس نے چائے پی۔ پھر فرزانہ کے ساتھ چند ضروری چیزیں خریدنے بازار چلی گئی۔

پلوں کی پائلیں بجتی رہیں، دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں ڈھلتے گئے۔

وہ اپنے کام میں مصروف تھی۔ وہی صبح رسالے کے دفتر جانا، گاہے گاہے ادھر ادھر سے رسالے کے لئے کچھ مواد جمع کرنا کبھی گاؤں کی عورتوں کے مسائل پر، کبھی نوجوانوں کی بے روزگاری پر، اور آجکل تو وہ خانہ بدوشوں کے خیموں میں جا جا کر بیٹھتی تھی ان پر فیچر لکھنے کیلئے۔ دوپہر دیر سے فارغ ہو کر فلیٹ پر آتی۔ مگر ___

اسکے روٹین میں ایک غیر محسوس سی تبدیلی آ گئی تھی۔ دوپہر یا رات کو آرام کی غرض سے بستر پر لیٹتی تو چونک چونک اٹھتی ___ لمبے اونچے پائنز میں الجھے سفید بادل، اکثر کہر میں ڈوبا لکڑی کا چھوٹا سا پل، اس پر کھمبے میں لگی راستے کی نشاندہی کرتی فوگ لائیٹ ___ گھڑی گھڑی بارش، دھند، ٹھنڈ۔

اور ___ اور ___ کچھ اور بھی۔ ایک بے حد ہینڈسم، ڈیشنگ ہیولا۔ اور ___

اس سے آگے وہ سر جھٹک دیتی۔ کہ وہ اتنا خوبصورت خواب دیکھنے کی قائل نہ تھی۔

سردی سے گرمی، اور اب ایک بار پھر رت بدل رہی تھی، راتیں یخ بستہ اور دن چھوٹے ہو گئے تھے۔ گلابی جاڑے ہمیشہ اسکے حواس تک میں اتر جاتے تھے۔ سردیوں میں وہ ایک نامعلوم سی خوشی محسوس کرتی تھی۔

سفید شلوار، مسٹرڈ کلر پرنٹڈ قمیض اور مسٹرڈ دوپٹے کیساتھ ہم رنگ شوز پہنے وہ بس سٹاپ پر کھڑی بس آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

آج پھر امی کا خط آیا تھا۔ ایک بار پھر اصرار کیا تھا۔ وہی اسکی شادی کے سلسلے میں! چند ماہ قبل بھی اسی رشتے کی امی نے بہت تعریف لکھی تھی مگر وہ صاف مکر گئی تھی۔ اب بقول امی وہ

لوگ ایک دفعہ پھر آئے تھے۔ پھر اصرار کر رہے تھے۔ مگر ـــ

جانے کیا بات تھی؟ اسکا دل مانتا ہی نہیں تھا۔ وجہ کیا تھی؟ شاید رسالے کی رپورٹنگ بذات خود بلکہ صحافت بذات خود ایک بہت دلچسپ چیز تھی اور وہ اس سے وابستہ رہنا چاہتی تھی ـــ پھر وہ سوچتی کیا اتنا ہی تھا؟ مگر ـــ

جب ایمانداری سے دل ٹٹولتی تو یہ بات دوسرے درجے پر نظر آتی۔ کچھ اور تھا جو شادی میں مانع آ رہا تھا۔ سال بھر قبل واقعی وہ صحافت کو اولین درجہ دیتی تھی مگر اب۔

اب جیسے کوئی اور بات تھی!

معاً اس نے دیکھا سامنے سے ایک گاڑی آ رہی تھی۔ ڈرائیور گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور پچھلی سیٹ پر فخر عالم بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی ایک لڑکی بھی۔

پہلے تو اسکے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہوئیں، آنکھوں میں قندیلیں سی جل اٹھیں مگر ـــ

دوسرے ہی لمحے کھلے ہوئے چہرے پر یاسیت چھا گئی، آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی ـــ شاید فخر عالم کو دیکھ کر اسے خوشی ہوئی مگر اس کیساتھ کسی لڑکی کو دیکھ کر وہ مایوس ہو گئی تھی۔

بہرحال ـــ اس نے رخ دوسری طرف کر لیا۔ جیسے اس نے دیکھا ہی نہ ہو۔ گاڑی گزر گئی اور وہ اسکی دھول کو تکتی رہ گئی۔

بس میں بیٹھنے لگی تو پاؤں جیسے من من کے بھاری محسوس ہوئے اور ـــ وہ دل سے یہ سوال کئے بنا نہ رہ سکی۔ کیا وہ فخر عالم کو چاہنے لگی تھی۔؟

دن سونے سونے راتیں بے کیف لگنے لگیں۔ یہ کیا ہو گیا تھا؟ وہ ایک سائے کیلئے بے قرار رہنے لگی تھی۔ اس کیساتھ بیٹھی لڑکی کو خود اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا پھر بھی دل تھا کہ بے قابو ہو رہا تھا۔

وہ اپنے دل کو بہت سمجھاتی۔ کہاں وہ محلوں میں رہنے والا۔ کہاں دھنک، ایک مڈل کلاس لڑکی اور پھر فخر عالم کیساتھ وہ لڑکی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ دونوں کی انڈرسٹینڈنگ تھی آپس

میں۔ پھر ایسے میں ایک سائے کے پیچھے بھاگنا۔ اپنے دن راتوں کا سکھ چین گنوانا۔ مگر کیا یہ سب اسکے بس میں تھا؟

سردیاں گزر گئیں، گرمیاں آئیں اور خوب زور شور سے۔ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے لگتا تھا پگھل جائیگا بندہ۔

ایسے میں اچانک امی کا فون آ گیا۔

"چند دن کی چھٹی لے کر پہاڑ پر پہنچ جاؤ، ہم لوگ آج ہی جا رہے ہیں۔"

خوشی تو اسے ہر بار ہوتی تھی ہل سٹیشن پر جانے کی مگر ـــــ اس بار خوشی کچھ نرالی تھی، انوکھی تھی!

اس نے فوراً ہی چھٹی کی درخواست دے ڈالی۔ جو منظور ہو گئی۔

اور دو ہی دن بعد وہ اپنے امی ابو اور بہنوں تسلیم اور نیلم کیساتھ تھی۔ ان سب کو پا کر اسے تقویت کا احساس ہوا کہ دل ـــــ جواب اسکا نہیں رہا تھا اپنوں کو پا کر اپنے وجود کا احساس تو ہونے لگا تھا۔ ورنہ وہاں تو وہ ایک خالی خول کی مانند تھی۔ خالی خالی نظریں، بجھی بجھی سی روح!

شام کو اسکی آنکھ کھلی تو پانچ بج رہے تھے۔ فلیٹ میں کوئی نہیں تھا۔ شاید واک کرنے یا پارک میں نکل گئے تھے۔

اٹھ کر اس نے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ کپڑے بدلے، بال درست کئے۔ اور ـــ اپنے پسندیدہ چھوٹے سے لکڑی کے کھوکھے والے ہوٹل میں چائے پینے باہر نکل آئی۔

آسمان پر سیاہ بادل منڈلا رہے تھے، نیچے کھائی میں اتنی کہر تھی کہ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا، سردی اتنی تھی کہ ایک سوٹ ناکافی ہو رہا تھا۔

بہر حال وہ آگے بڑھنے لگی۔ چکردار سڑک کی گولائیوں پر چلتی چلی گئی۔

اچانک ٹپ ٹپ موٹی موٹی بوندیں پڑنے لگیں۔

مگر وہ چلتی گئی کہ اسے کچھ عادت سی ہو چلی تھی۔ بارشوں کی، بادلوں کی اور بے حساب ٹھنڈک کی۔

معاً ایک جیپ پاس آ کر رکی۔

"آؤ۔"

اس نے دیکھا فخر عالم تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ ہاتھ اسے سہارا دینے کو آگے بڑھایا تھا۔

بغیر کچھ سوچے سمجھے جیسے کوئی مقناطیسی کشش تھی جو اسے کشاں کشاں جیپ تک لے گئی۔

فخر عالم کا آگے بڑھا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

جیپ آگے بڑھنے لگی۔

"تمہیں چھتری لے کر نکلنا چاہیئے تھا۔ یہاں کی بارش کا کچھ پتہ نہیں چلتا کب شروع ہو۔"

وہ سڑک پر نظریں جمائے تھا۔

وہ خاموش رہی، کہتی بھی کیا۔

اس وقت تو بس دل تھا کہ زور زور سے دھڑکے جا رہا تھا۔ وہ اس شخصیت کے نزدیک بیٹھی تھی جسے وہ من ہی من میں کتنے عرصے چاہتی آ رہی تھی۔ فخر عالم بھی اسکی کیفیت سے آگاہ تھا یا نہیں یہ اس نے ضروری ہی نہیں سمجھا۔

"مادام جرنلسٹ۔ کیسے حال چال ہیں۔" اب بھی وہ ہی خوشگواری سے بولا۔

"ٹھیک ہوں"۔

کچھ ثانیے وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

"کبھی مجھے بھی یاد کیا تھا اتنے عرصے میں"۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ نک اسکے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ سکی۔

"نہیں تو۔" اس نے خالص جھوٹ بولا۔

"کر لیا ہوتا تو کیا چلا جاتا تمہارا۔ مجھے تو تم اکثر یاد آتی رہیں"۔ رخ پھیر کر اس نے

دھنک کو دیکھا۔

قوس قزح کے تمام رنگ دھنک کے چہرے پر چھا گئے۔سیاہ جھالریں پلکیں جھک گئیں۔ نازک ہاتھ کانپ سے گئے۔

"کیوں؟"اس نے ہمت مجتمع کی۔سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اس 'کیوں' کا مجھے خود بھی اب تک پتہ نہ چل سکا"۔

معاً دھنک کو خیال آیا اس کیساتھ اس لڑکی کا مگر___ ذکر نہ کیا۔بات دل ہی میں رہنے دی۔

اس نے دیکھا چھوٹا سا بازار نیچے رہ گیا تھا اور وہ اوپر ہی اوپر بڑھ رہا تھا۔

"میں نے تو بازار میں اترنا تھا۔" وہ بول پڑی۔

"کیا کام ہے بازار میں"۔اطمینان سے کہتا وہ چلتا ہی گیا۔

"پلیز!"

"بتاؤ نا کیا کام ہے بازار میں"۔

"چائے پینی تھی"۔

"اوہ"۔وہ خوبصورتی سے مسکرایا۔"چائے نہیں۔کوفی پئیں گے___ دونوں مل کر___ میرے گھر میں..."

"پلیز!اچھا نہیں لگتا۔آپکے ملازم وغیرہ کیا سوچیں گے"۔

وہ زور سے ہنس دیا۔

"اور وہ پہلے جو آئی تھیں"۔

"وہ تو...وہ تو میرے پروفیشن کا تقاضا تھا"۔وہ بھی ہنس دی۔

"انہیں تو تب بھی معلوم نہیں تھا کہ تم اپنے پروفیشن سے آئی ہو"۔

"پتہ نہیں کیوں اب کے بغیر کسی مقصد کے جانا... گھٹی سا محسوس کرتی ہوں"۔

"ایسا کرو۔تم میرا انٹرویو لو"۔

اور نہ چاہتے ہوئے بھی دھنک کھلکھلا کر ہنس دی۔

"No, I mean it. You are going to be the very first reporter to have my interview." وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔

"اتنے مہربان کب سے ہو گئے"۔

"جب سے تمہیں دیکھا تھا..."

وہ لڑکی___ اسے پھر خیال آیا___ فلرٹ تھا یہ یونانی دیوتا!

جیپ دریا پر سے پل کو کراس کرتی اسکے علاقے میں داخل ہو گئی___ وہی جنگل تھا پچھلے سال ڈیڑھ سال والا۔اسی میں ٹیڑھا میڑھا راستہ تھا جس پر جیپ آگے بڑھ رہی تھی۔

وہی لکڑی کا مکان تھا،وہی اسکے آگے چھوٹا سا لکڑی کا پل،وہی گھر کے پیچھے والی مصنوعی جھیل میں سے آکر پل کے آگے آبشار کی صورت میں گرتا پانی۔لکڑی کا جھونپڑ نما مکان اب بھی درختوں اور سبزے میں گھرا تھا،اوپر کی بالکنیوں میں سے اب بھی ان گنت سرخ پھول جھول رہے تھے،مکان کی ڈھلانی چھت آج بھی سرخ پھولوں سے ڈھکی تھی اور___ قدم قدم پر خودرو ڈیزیز اس وقت بھی سر اٹھائے نرم خرام ہواؤں میں جھوم رہے تھے۔

جیپ آگے چل کر بائیں جانب پورچ میں رک گئی۔کئی ملازم اب تک چوکنے ہو گئے تھے۔

فخر عالم کیساتھ ساتھ انہوں نے دھنک کیلئے بھی دروازہ کھولا۔ان کے چہرے جانے پہچانے تھے۔اسے دیکھ کر خوش لگ رہے تھے۔جیسے اچھا لگا ہو انہیں اس کا آنا!

فخر عالم اسے اسی ہال میں لے گیا جہاں قریباً ڈیڑھ سال قبل وہ فون کرنے آئی تھی۔

پھر اس سے ملحقہ قدرے چھوٹے لاؤنج میں۔یہاں گداز قالین پر قیمتی صوفے لگے تھے۔ ہر طرف کھڑکیاں تھیں۔پردے ہٹائے گئے تھے اور باہر بادل میں لپٹے پائنز چپ چاپ کھڑے موسلا دھار بارش کے تھپیڑے سہہ رہے تھے۔

"تم بیٹھو۔میں چینج کر کے آتا ہوں"۔

وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا چلا گیا۔

اور دھنک چوڑی کھڑکی کے پاس لگے صوفے پر بیٹھی سامنے کے نظاروں پر نظریں جمائے

اسی کے متعلق سوچے گی۔

وہ کیوں اسے یہاں لایا تھا؟

"مجھے تو تم اکثر یاد آتی رہیں"۔

"کیوں؟"

"اس 'کیوں' کا مجھے خود بھی اب تک پتہ نہ چل سکا"

اسکی باتوں میں اشارہ تھا۔۔۔ اس کیلئے پسندیدگی کا مگر۔۔۔

صرف پسندیدگی سے کیا ہوتا ہے۔ وہ تو اسے چاہتی تھی بے تحاشہ۔

دفعتاً وہ اندر آ گیا۔

لائیٹ گرے شلوار قمیض اوپر سے اسی رنگ کا نرم اور قیمتی سویٹر۔ پاؤں میں چپل۔ جیسے ریلیکس ہونا چاہتا تھا۔

قریب آ کر وہ اس کے مقابل والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم خاصی بھیگ گئی ہو۔" وہ تشویش سے بولا۔ پھر مسکرایا۔ "میرے کپڑے پہنو گی؟" وہ جیسے یوں ہی کہہ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا وہ ایسا نہیں کرے گی۔

"نہیں"۔ وہ بھی مسکرا دی۔ "میں اتنی نازک نہیں کہ بارش میں بھیگنے سے بیمار پڑ جاؤں"۔

"اوہ"۔ وہ جیسے دل ہی دل میں اس پر ہنسا۔ نازک تو وہ خاصی تھی، ہاں بولڈ ضرور تھی۔

"آپ... آ کہاں سے رہے تھے؟" دھنک نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"شہر سے۔ گری تھی وہاں۔ مگر پرسوں واپس جاؤں گا چند دن کیلئے"۔

شاید اس لڑکی کیلئے، دھنک نے سوچا۔

"میں نے آپکو ایک بار دیکھا تھا گاڑی میں گزرتے ہوئے"۔

"کہاں؟"

"وہیں شہر میں۔ ایک لڑکی بھی تھی آپکے ساتھ"۔ باوجود کوشش کے اسکے لہجے میں شکوہ سا ابھر آیا۔ اور۔۔۔

فخر عالم کا رنگ بدل سا گیا۔ چہرے پر ناگوار سے تاثرات ابھرے۔

"ہاں"۔ اس نے اتنا ہی کہا۔ پھر سامنے کے پائنز پر نظریں جما دیں۔

تبھی بیرا دونوں کیلئے کوفی لا کر درمیان والی میز پر رکھ گیا۔ ساتھ میں چیز سینڈوچز اور ہنٹر بیف۔

فخر عالم نے دھنک کیلئے کوفی بنائی۔ دودھ اور چینی ملا کر اسکے آگے کھسکایا۔ اور اپنے لئے صرف کوفی ڈال کر اوپر سے ابلا پانی انڈیلا اور چمچ چلا کر۔۔۔ تلخ گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔

دونوں خاموشی سے اپنی اپنی کوفی پینے میں مصروف تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے بارش تھم گئی۔ درخت دھلے دھلے لگنے لگے اور۔۔۔ مطلع صاف ہونے لگا۔

"یہ اونچے اونچے درخت بارش میں دھل کر کتنے اچھے لگ رہے ہیں"۔

"مجھے تو وہ۔۔۔ سامنے والی رین بو اچھی لگ رہی ہے مس رین بو"۔ اس نے بڑی سی جگہ پر محیط رنگ برنگے رین بو کی طرف اشارہ کیا۔

وہ مسکرا دی۔ دھیرے سے۔

"مگر اس رین بو سے یہ والی رین بو زیادہ پیاری ہے کیوں؟" اندر رخ کرتے ہوئے اس نے دھنک سے کہا۔

وہ مزید مسکرا دی۔

"تمہارے دانت بہت خوبصورت ہیں"۔ وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

دھنک چپ سی نظر آنے لگی۔ پورا ڈیڑھ سال تو جانے کہاں کہاں فلرٹ کرتا رہا۔ آج وہ نظر آ گئی تو اسے بتانے لگا۔

"مجھے منہ دیکھے کی باتیں اچھی نہیں لگتیں"۔ دھنک نے اب بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

فخر عالم نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"یہ منہ دیکھے کی باتیں نہیں ہیں۔ تم مجھے اکثر یاد آئیں۔ یقین نہ ہو تو میری ڈائری میں اپنا ایڈریس دیکھ لو۔ تمہارے گھر کا ایڈریس۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے فادر انگلش ڈیپارٹمنٹ کے چیئر مین ہیں۔ تمہاری دو بہنیں اور ہیں۔ ان کے نام تک مجھے پتہ ہیں... لیکن ــــ

وہ حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"لیکن کیا؟"

"میری کچھ مجبوریاں تھیں، بلکہ ہیں۔ جن کی وجہ سے میں تمہیں مل نہیں پایا"۔

"اور آج؟" وہ اب بھی حیرت زدہ تھی۔

"آج تو خدا نے سن لی۔ تمہیں خود بخود لا ڈالا میرے پاس"۔ وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

اور دھنک باقی کی کوفی پیتے ہوئے اسکی باتوں پر غور کرنے لگی۔

"تم یہاں کتنے دن رہو گی؟" فخر عالم نے خالی مگ میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی آٹھ دس دن"۔

"اوہ۔ پھر تو میں شہر سے جلدی واپس آ ؤنگا"۔ وہ مسکرایا۔

"کیوں؟"

وہ دلنشیں آنکھوں سے اسکی آنکھوں میں جھانکا۔

"اسلئے کہ یہاں تم ہو۔ اسلئے کہ یہاں میں تمہیں ملتا رہونگا اور ــــ اور اسلئے کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں... کچھ اور پوچھنا ہے؟"

وہ اب بھی اسکے جھکے سر، سرخ چہرے اور کانپتی لرزتی پلکوں کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ... وہ لڑکی کون تھی؟" کانٹا تو اسکے دل میں چبھا ہی تھا۔

"اُفوہ ــــ بھول کیوں نہیں جاتی ہو اس لڑکی کو"۔

"کیسے بھول جاؤں؟" وہ پھولے پھولے منہ کیساتھ بولی۔

"جیسے میں بھول گیا ہوں"۔

دھنک کو ایک گونہ تسلی ہوئی۔

"کون تھی وہ؟" وہ شاید اپنی مزید تسلی کی خاطر بولی۔

"تھی بس کوئی۔ اور آئندہ تم اسکا ذکر نہیں کرو گی"۔

اس نے بات ہی ختم کر دی۔ اسے بھی اور زیادہ کریدنا اچھا نہ لگا۔ ٹھیک تھا جو بھی تھی اسکی۔ اب تو نہیں تھی نا۔

وہ مطمئن سی نظر آنے لگی۔

تھوڑی دیر دونوں طرف خاموشی چھائی رہی۔

"اب پلیز مجھے چھوڑ آئیں۔" کوفی کا خالی مگ اس نے میز پر رکھ دیا۔

"چھوڑ آؤں گا ایسی بھی کیا جلدی ہے"۔

"اندھیرا ہو چکا ہے..." وہ کھڑکی میں سے چھوٹے چھوٹے گھروں کی اونچی نیچی بتیوں کو جگمگ جگمگ کرتے دیکھتے ہوئے بولی۔

فخر عالم نے ہاتھ بڑھا کر لائیٹ آن کر دی۔

"کہاں ہے اندھیرا؟"

"مذاق نہیں۔ پلیز! وہ دیکھیں سارا گاؤں بتیاں جلا چکا ہے"۔ وہ کچھ ان ایزی سی لگ رہی تھی۔

"تم وہی ہو جو راتوں کو درختوں پر چڑھتی تھیں..."

وہ خوبصورتی سے ہنس دی۔

"اب شاید میں بزدل ہو گئی ہوں"۔

"پیار میں ایسا ہوتا ہی ہے"۔

"کافی تجربے کار لگتے ہیں آپ"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھوڑا تھوڑا ــــ کبھی کبھار..."

اور وہ چل پڑی۔

فخر عالم نے جھٹ سے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یار مذاق بھی نہیں سمجھتی ہو کیا چیز ہو"۔

"یہ مذاق نہیں ہے"۔

"اچھا نہیں ہے"۔ اس کی شکل مسکین ہو گئی۔

"آئندہ میں نے کسی لڑکی کو آپ کیساتھ دیکھا نا تو..."

"تو ــ کیا کرو گی؟" وہ جلدی سے بولا۔

"ماروں گی میں"۔

"کسطرح؟"

"اسطرح۔" اپنا ہاتھ چھڑا کر اس نے ہلکا سا مکا اسکے مضبوط سینے پر دے مارا۔

اسکا نازک سا وار اسے اچھا لگا، محظوظ ہوا، اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو نیم ــ تمہیں چھوڑ آ ئیں"۔

دونوں لاؤنج سے باہر آ گئے۔

اسے ٹھنڈ لگ ہی گئی۔ دو دن خاصا بخار رہا۔ آج کچھ بہتر تھی۔ دوپہر کو جو سو کر اٹھی تو شام کے سائے مٹیالے ہو رہے تھے۔ اٹھ کر اس نے باتھ روم میں منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ گرے پرنٹڈ گرم کپڑے پہنے۔ گرے لیدر کے شوز اور گرے ہی جیکٹ پہنی۔ اپنی پسندیدہ پرفیوم لگاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی۔

دیکھا کوئی نہیں تھا سوائے ابو کے جو برآمدے میں کرسی پر بیٹھے اطراف کے نظاروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"ابو سب لوگ کہاں ہیں؟" اس نے ابو سے پوچھا۔

"بیٹے نیچے گئے ہیں گھومنے۔ تمہیں اسلئے نہیں جگایا کہ خواہ مخواہ ڈسٹرب ہو گی"۔

"ابو میں بھی جاتی ہوں نیچے۔" اُنکا فلیٹ کافی اونچائی پر تھا۔

یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ گنے چنے مکان اور ضروری اشیاء کی چند دکانوں پر مشتمل ــ یہاں کسی کے گم ہونے یا پھر اکیلے جانے میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ نیچے جاتی تو امی اور تسلیم اور نیلم بھی کہیں نہ کہیں نظر آ ہی جاتیں ــ یا واک کر رہی ہونگی یا چھوٹے سے پارک میں جھولوں ہی سا وغیرہ میں مصروف ہونگی یا پھر سب کی پسندیدہ چائے سموسے اور پکوڑوں کے چھوٹے سے لکڑی کے کھوکھے میں لکڑی کی بینچ پر بیٹھیں سموسے یا پکوڑے کھا رہی ہونگی۔

اسکا بھی دل چاہا۔ اسی کھوکھے سے چائے پینے کو۔ فائیو سٹار ہوٹلوں کی پیالی بھاری اور چائے ہلکی ہوتی ہے۔ مگر ان کھوکھوں کی پیالی ہلکی سی چائے زبردست ہوتی ہے۔

جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ دیئے وہ سوچوں میں گم چلی جا رہی تھی۔ ابھی اوپر ہی تھی کہ چونک پڑی۔ نیچے سڑک پر فخر عالم اپنی جیپ میں اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ تو واقعی وہ جلد

لوٹ آیا تھا۔

اسے عجیب سی خوشی کا احساس ہوا، انوکھی طمانیت کا!

بازار پہنچ کر وہ اپنی پسندیدہ دکان میں بنچ پر بیٹھ گئی۔ دکاندار نے لکڑی کی میلی سی میز میلے سے کپڑے سے صاف کرتے ہوئے اس پر اسکے سامنے چائے رکھی۔ وہ چھوٹے سے بازار میں شام کی ہلچل سے محظوظ ہوتی گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پی رہی تھی۔

تبھی۔۔۔ وہاں فخر عالم آ گیا۔ گرے کلر پینٹ پر اسی کے ہمرنگ فر کی لائننگ والا ہاف لینتھ قیمتی رین کوٹ پہنے وہ ہمیشہ کی طرح شاندار لگ رہا تھا۔

"صاحب آپ کیسے ہم غریبوں کی دکان پر آ گئے"۔ بوڑھے دکاندار کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

"نہیں بابا، ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل مجھے کام سے وقت نہیں ملتا"۔ وہ دکاندار کی عمر کی وجہ سے مؤدب طریق سے بولا۔

"کیا لاؤں سرکار؟"

"چائے"۔

دکاندار چائے بنانے لگا۔

"اور میم صاحب تم یہاں کیا کر رہی ہو"۔ وہ اس کے مقابل بنچ پر بیٹھ گیا۔

"چائے پی رہی ہوں"۔ وہ اطمینان سے بولی۔

"وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے۔ تمہیں ہی یہاں دیکھ کر تو میں آیا ہوں۔ وہ اوپر"۔ اس نے اشارے سے دکھایا۔ "سڑک سے گزر رہا تھا تو مجھے تم نظر آ گئیں۔ گھر پہنچتے ہی واپس چلا آیا۔ مگر تم۔۔۔ چائے یہاں کیوں پیتی ہو"۔ اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ بازار کے بیچ بیٹھ کر چائے پینا۔ چند دکانیں وہ بھی جانی پہچانی۔

وہ مسکرا دی۔

"روز تو نہیں پیتی۔ کبھی کبھار آ جاتی ہوں۔ اچھا لگتا ہے مجھے۔ اور پھر ہم ٹورسٹس کو یہاں

کون جانتا ہے..."

اسکی آنکھوں میں دیکھتے دیکھتے فخر عالم نے گہری سانس لی۔ پھر وہ بھی مسکرا دیا۔

اسکی چائے آ گئی۔ بڑے بڑے گھونٹ لے کر فوراً ہی پیالی خالی کر دی۔

"آؤ"۔ اٹھتے ہوئے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

دھنک نے اسکا ہاتھ تھام لیا مگر۔۔۔

"کہاں؟"

"بازار سے باہر نکل کر گھومیں گے"۔

اور دھنک نے اچانک امی، تسلیم اور نیلم کو وہاں سے گزرتے دیکھا۔ جلدی سے ہاتھ اسکے ہاتھ سے نکال لیا۔

"امی ہیں۔ بہنیں ہیں میری۔ اچھا میں چلتی ہوں"۔ وہ کچھ سٹ پٹائی سی لگ رہی تھی۔

دھنک نے فخر عالم کے منع کرنے کے باوجود دونوں کی چائے کی پے منٹ کی۔

"خدا حافظ"۔ اس نے کہا۔

اور دکان سے باہر نکل کر ان لوگوں سے جا ملی۔

فخر عالم۔۔۔ دیکھتا ہی رہ گیا۔

دن کے دس بج رہے تھے۔ وہ اپنے گھر کے چھوٹے سے برآمدے میں جنتی دھوپ سے لطف اندوز ہوتی آج کا تازہ اخبار پڑھ رہی تھی۔

تبھی اس نے دیکھا۔ نیچے ایک کار آ کر رک گئی۔ اس میں سے برآمد ہوتا ڈرائیور اسکی پگڈنڈی پر چلتا اوپر آیا۔ نہایت ادب سے اسے ایک بڑا سا سفید لفافہ تھمایا۔

"میڈم۔ یہ مسٹر فخر عالم نے آپکے لئے دیا ہے۔"

وہ شاید اسے جانتا تھا۔ مگر دھنک نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔

وہ واپس چلدیا۔

دھنک نے لفافہ کھولا۔ Invitation تھی فخر عالم کی برتھ ڈے کی۔ اور جسے بقول فخر عالم صرف وہ دونوں منانے جا رہے تھے۔

شام ٹھیک چار بجے وہ تیار ہوئی۔ ڈارک گرین کپڑوں میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اپنے ہی براؤن سٹریٹ خوبصورت بالوں میں برش کیا۔ کپڑوں کے ہمرنگ دوپٹہ، لیدر کے شوز پہنے اور امی کے پاس کچن میں آ گئی۔

"امی میں جاؤں دیر ہو رہی ہے"۔

اس نے صبح ہی اپنے کسی کولیگ کی سالگرہ کا کہہ کر امی سے اجازت لے رکھی تھی۔ جانے کیوں فخر عالم کا براہ راست نہ کہہ پائی تھی۔ گو امی نے یہاں بھی اعتراض نہیں کرنا تھا کہ اسکا پروفیشن ہی ایسا تھا۔ مردوں سے بلا جھجک ملنا، بات چیت کرنا۔

"ہاں بیٹا۔ مگر جلدی واپس آنا۔"

"اچھا امی"۔

اور وہ شورٹ کٹ سے ہوتی اسی جگہ آ گئی جہاں قریباً ڈیڑھ سال قبل اس نے یہی دریا پار کیا تھا۔ بڑے بڑے پتھر اب بھی موجود تھے۔ کٹے ہوئے درختوں کے تنے اب بھی پانی کے بہاؤ پر رواں دواں تھے۔

وہ احتیاط سے پتھروں پر قدم جماتی دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔

فخر عالم وہیں کھڑا تھا ـــ اونچا قد، چوڑے شانے، گندمی صحت مند رنگ، پرکشش نقوش، گھنی سیاہ بھنوئیں، سیاہ چمکتی آنکھیں ـــ سیاہ قیمتی سوٹ زیب تن کئے شاہانہ انداز! اسے وہ کسی دیو مالائی کہانی کا شہزادہ لگا۔

"Happy birth day sir." اس نے مسکراتے ہوئے فخر عالم کی طرف پھولوں کا خوبصورت گلدستہ بڑھایا۔

"تھینک یو میم۔" فخر عالم نے بھی اسی لہجے میں کہا۔

ایک ہاتھ سے اس نے Bouquet پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اسکا نازک ہاتھ تھام لیا۔

"یاد ہے کچھ عرصہ پہلے یہاں کیسے آ کر لڑھکی تھیں۔" اس مخصوص جگہ سے گزرتے ہوئے فخر عالم نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"مگر آج تو میں لیگل طور پر آئی ہوں چوری سے نہیں۔"

"ویلکم آ جاؤ نا دھنک پلیز!" اس نے اسکے ہاتھ میں تھامے ہاتھ پر اپنے پرکشش لب رکھ دیئے۔

دھنک کے رگ و پے میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

سیاہ خمیدہ پلکیں گرنے اٹھنے لگیں۔

اسکا یہ روپ فخر عالم کو مسحور کر گیا۔

اسکا ہاتھ تھامے تھامے وہ اسے گھر کے اندر لے گیا۔

آج بھی بڑے سے ہال میں قیمتی کرسٹل کے بڑے بڑے فانوس ہال کو خوبصورت بنا

رہے تھے، دیواروں پر لگی بیش قیمت پینٹنگز اپنے مکین کے ذوق کا پتہ دے رہی تھیں، بیش بہا مجسمے ہال کی زینت بڑھا رہے تھے اور ــــ اوپر جاتی چوڑی کارپیٹڈ سیڑھیوں کے پاس رکھا بڑا سا پیانو ہال کی رونق میں اضافہ کر رہا تھا۔

دبیز ایرانی قالین پر چلتے دونوں اسی دن والے بغل کے لاؤنج میں آ گئے۔ سالگرہ کے آثار تو کوئی نہ تھے۔ شاید وہ یوں ہی سادگی سے اپنی سالگرہ منایا کرتا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے مقابل چوڑی کھڑکی کے قریب صوفوں پر بیٹھ گئے۔

باہر ہمیشہ کی طرح فطرت اپنا حسن لٹا رہی تھی۔ قریب کے اونچے پہاڑ سر بفلک درختوں میں بادل دھواں دھواں ہو رہے تھے۔ ہر طرف پہاڑ اور درخت! فخر عالم کا گھر جیسے سرسبز پیالے کے پیندے میں واقع تھا۔

"یہ والے درخت کس چیز کے ہیں"۔ سوری دھنک نے پائینز کے علاوہ بڑے بڑے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ اخروٹ کے ہیں مگر" وہ مسکرایا "تمہیں پکے ہوئے اخروٹ بمشکل نظر آئینگے"۔

"کیوں؟"

"پکنے سے پہلے ہی بندر کھا جاتے ہیں"۔

اور دھنک خوبصورتی سے ہنس دی۔

"تم سوچو گی میں اتنی سادگی سے اپنی برتھ ڈے مناتا ہوں"۔

"ہاں"۔

میں تو شاید مناتا ہی نہ مگر میرے بابا کہا کرتے تھے چاہے اکیلے کیک کاٹو مگر برتھ ڈے ضرور مناؤ..." وہ جیسے یادوں میں کچھ پیچھے چلا گیا تھا۔

"بابا کی برتھ ڈے بھی میں ہی منایا کرتا تھا۔ انہیں کبھی یاد نہیں رہتا تھا کہ کب انکی برتھ ڈے ہے۔ امی تو میں چھوٹا سا تھا جب ڈیتھ ہو گئی تھی انکی ــــ پھر بابا ہی میرے سب کچھ تھے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے دوسری شادی کی۔ مگر میری پرورش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

ممی بھی اچھی ہی تھیں میرے ساتھ بس ذہنی ذرا زیادہ تھیں۔" وہ اداس سا مسکرایا۔ "پھر میری ایک سویٹ سی بہن پیدا ہوئی۔ ہم دونوں کی عمروں میں تقریباً چار پانچ سال کا فرق تھا۔ سمینہ سوتیلی تھی پر کون کہہ سکتا تھا کہ ہم سوتیلے ہیں۔ بڑے پیار سے رہتے تھے ہم لوگ ــــ بارہ تیرہ سال کی عمر میں بابا نے مجھے پڑھائی کیلئے سوئٹزرلینڈ بھیج دیا۔ وہیں تھا میں جب ممی کے فوت ہونے کی خبر ملی۔ امتحان شروع تھے میں آ نہ سکا۔ میں ذہنی طور پر بہت ڈسٹربڈ تھا۔ سمینہ کے دکھ کا میں اندازہ کر سکتا تھا۔ بہرحال میری پڑھائی جاری رہی۔ پھر ــــ پڑھائی کے بس آخری دن تھے۔ Exam's شروع تھے۔ کہ بابا کے ڈیتھ کی اطلاع ملی۔ آخری پیپر دیتے ہی میں پاکستان چلا آیا۔ سنا ہے انہیں زہر دیا تھا کسی نے۔ بہرحال ــــ میرے آ جانے سے سمینہ کو ڈھارس ہوئی۔ ہم دونوں بہن بھائی اپنا وقت کاٹ ہی رہے تھے کہ اچانک ــــ میری جگہ اسے ختم کر دیا گیا ــــ میں بالکل اکیلا رہ گیا!"

اس نے گہری سانس لی۔ دکھ سے مسکرایا۔

"اپنے ساتھ تمہیں بھی پریشان کیا ہے"۔ اسکی آواز میں گہری گھمبیرتا تھی۔ اداسی اور دکھ اسکی آنکھوں تک میں اتر آئے تھے۔

دھنک کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے تسلی دے۔

"آپ... آپ پریشان مت ہوں... پلیز!"

اور تبھی ــــ بیرا ایک بہت بڑا فارسٹ کیک اٹھائے اندر آ گیا۔

مؤدب طریقے سے دھنک کو سلام کیا اب یہ سب لوگ اسے اچھی طرح جان گئے تھے۔

کیک میز پر رکھتے ہوئے وہ بے آواز قدموں واپس چلا گیا۔

پھر لیمب روسٹ، سلیمڈ چکن روسٹ، مٹن تکہ، بیج کباب، پٹیز، چنز سینڈوچز وغیرہ بھی آ گئے۔

صرف وہ دونوں تھے۔ فخر عالم نے مہمان جاتی۔

آج وہ بتیس سال کا ہو گیا تھا۔

"Now help me." اس نے کیک کاٹتے وقت کہا۔

اور دھنک اسکے قریب آکر بیٹھ گئی۔

دونوں نے اکٹھے کیک کاٹا۔فخر عالم نے پیس پہلے دھنک کے منہ میں دیا باقی کا خود کھالیا۔

پھر انٹرکوم پر بیرے کو بلایا۔بیرا فوراً آ گیا۔

"یہ کیک تم لوگوں کیلئے ہے"۔فخر عالم بولا۔

اور بیرا اسے Greet کرتے ہوئے کیک اٹھا کر چل دیا۔

وہ دونوں خوشگوار باتوں کے دوران مختلف چیزوں میں سے کھا رہے تھے۔

"چائے یا کوفی؟" فخر عالم نے پوچھا۔

"کوفی۔"

"گڈ۔کوئی تو ٹیسٹ ہم دونوں کا ملتا جلتا ہے۔"

وہ مسکرا دی۔ہولے سے۔

"تمہاری سٹائل بہت Attractive ہے۔" اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ مزید بولا۔

اور دھنک پھر دھنک کے رنگوں میں رنگ گئی۔وہ محظوظ ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

پھر کوفی آ گئی ___ فخر عالم نے دھنک کیلئے کوفی میں دودھ اور چینی ملائی اور اپنے لئے حسب عادت کوفی میں صرف کھولتا ہوا پانی ملا دیا۔

دھنک مزے لے لے کے پینے لگی۔جبکہ فخر عالم کڑوے گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔

"حلق جل جائیگا۔" دھنک مسکراتے ہوئے بولی۔

"حلق کا کیا ہے۔میں تو سارے کا سارا جل رہا ہوں... کافی عرصے سے۔" وہ اچانک سنجیدہ لگنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔کوئی اور بات کرو۔"

اسے کیا پریشانی تھی؟ دھنک سوچے بنا نہ رہ سکی۔

اس نے بھی مزید نہیں پوچھا۔ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔اسکا دھیان ہٹانے کو۔اسے خوش کرنے کو۔

پھر اس نے اجازت چاہی۔

باہر شام کے دھندلکے اتر آئے تھے۔ڈھلانوں پر ادھر ادھر بکھرے چھوٹے چھوٹے گھروندوں میں روشنیاں جل اٹھی تھیں، جیسے بہت سارے سنہرے موتی گر کر بکھر گئے ہوں۔

سر بفلک پائینز میں ہوا کی مخصوص سنسناہٹ ہونے لگی تھی۔

"میں جاؤں اب۔دیر ہو رہی ہے۔" دھنک نے کہا۔

"نہیں پلیز! اتنی جلدی نہیں۔مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ۔" اسکے لہجے میں التجا تھی۔

"لیکن جانا تو ہے نا۔" وہ مسکرا دی۔

"تھوڑی دیر اور۔" اس نے دھیرے سے اسکا ہاتھ اٹھایا۔ہولے سے اپنے ہونٹ اس پر رکھ دیئے۔

اور پھر جیسے اچانک کچھ یاد آیا۔

دلنشیں آنکھوں میں شوخ چمک لہرائی۔پرکشش لبوں پر شریر مسکراہٹ۔

"تم مجھے Kiss نہیں دو گی۔آج میری برتھ ڈے ہے۔"

اور جھجکتے جھجکتے دھنک نے اپنے یاقوتی ہونٹ اسکے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"اوں ہوں۔یہاں نہیں۔" اس نے اپنا گال قریب کر دیا۔"یہاں"۔

اور دھنک نے وہاں بھی ہولے سے اپنے لب رکھ دیئے۔

فخر عالم مدہوش سا ہو گیا۔آہستہ سے اسے اپنے سینے سے لگایا اور دھیرے دھیرے ڈھیر سارا پیار کر لیا۔

"اب جاؤں" اسکی گرفت سے نکلتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔

وہ شرمائی شرمائی سی تھی۔پلکیں اوپر اٹھ نہ پا رہی تھیں۔

وہ مطمئن ہوتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا۔

"چلو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

"صرف دریا کنارے تک۔"

"کیوں؟"

"آگے کہیں امی ابو مل گئے تو شامت آجائیگی۔"

"ٹھیک ہے آؤ۔" اس نے دھنک کا ہاتھ تھام لیا۔

دونوں باہر نکل آئے۔

ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اپنی دھن میں مست باتیں کرتے وہ چلے جا رہے تھے۔

تبھی — ایک لمبی سی سفید گاڑی فخر عالم کے گھر کے ٹیڑھے میڑھے راستے پر آتی انہیں دیکھ کر رک گئی۔

فخر عالم نے آہستہ سے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"Just a minute." اس نے دھنک سے کہا۔

اور — گاڑی کی طرف بڑھا۔

یہ وہی لڑکی تھی۔ جسے ایک بار دھنک نے شہر میں فخر عالم کیساتھ گاڑی میں بیٹھے دیکھا تھا۔ اور جسکی سوچ اکثر اسکے ذہن میں سر ابھارتی۔

اسکا دل بیٹھ سا گیا۔

فخر عالم قریب پہنچا تو وہ گاڑی سے اتر آئی۔ بے اختیار بازو فخر عالم کی گردن میں حمائل کر دیئے۔ بے تحاشا اسکے چہرے پر پیار کرنے لگی۔

"Happy birth day my love." وہ قدرے دم لینے کو رکی تو اسے Greet کیا۔

"تھینکس۔" فخر عالم مختصرا بولا۔ تم اندر جاؤ۔ میں انہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔" اسکا اشارہ دھنک کی طرف تھا۔

"Who is she supposed to be?" وہ بڑی حقارت سے پوچھنے لگی۔

"میرے بابا کے دوست کی بیٹی ہے۔" فخر عالم نے بات بتائی۔

"اچھا ڈارلنگ جلدی آنا"

وہ گاڑی میں اندر کی طرف گئی۔ اور فخر عالم دھنک کی طرف۔

دھنک نے کوئی سوال نہ کیا۔ کہ سوال کی گنجائش باقی نہ رہی تھی — نہ ہی فخر عالم کچھ بولا۔ کہ اسکے پاس بھی صفائی دینے کو کچھ بچا نہیں تھا۔

دریا پار کرنیوالی جگہ پر پہنچے تو وہ کچھ بھی بولے بنا آگے بڑھ گئی۔

"خدا حافظ بھی نہیں کہوگی۔" وہ اداس سا بولا۔ کہ اسے یقین تھا دھنک کا اس پر سے اعتماد اٹھ چکا تھا۔

"نہیں۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

اور — پتھروں پر پاؤں رکھتی دریا پار کرنے لگی۔

اس پار پہنچی تو نہ چاہتے ہوئے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا۔

فخر عالم اب بھی وہیں کھڑا تھا اسے دیکھتے پاکر ہاتھ سے ویو کیا اور تھکے تھکے قدموں سے اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔

اپنے آپ کو مصروف رکھنے کو وہ اب ہر وقت تسلیم اور نیلم کیساتھ رہنے لگی۔ وہ جہاں جاتیں نہ چاہتے ہوئے بھی ساتھ چل پڑتی۔

ہر شام ابواہی نیلم اور تسلیم کیساتھ باقاعدگی سے نیچے پارک میں جاتی۔ جہاں بیسیوں ٹورسٹ گھومتے پھرتے نظر آتے۔ وہ لوگ بھی گھومتے پھرتے کبھی تھک کر بیٹھ جاتے۔ کبھی چند ہی دکانوں پر مشتمل بازار میں نکل جاتے۔ سموسے، پکوڑے اور چائے جو یہاں کی سوغات تھی، لکڑی کے میلے کچیلے بنچوں اور میز پر بیٹھ کر کھاتے۔

مگر ۔۔۔ دل تھا دھنک کا کہ چور چور ہو گیا تھا۔ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔

سب کیساتھ مل بیٹھتے ہوئے بھی جیسے اپنے کو تنہا محسوس کرتی، بات بات پر چونک اٹھتی۔

آج شام وہ نیلم اور تسلیم کیساتھ چائے کی دکان پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ حسب عادت نیلم اور تسلیم چہک رہی تھیں۔ جبکہ وہ پیالی ہاتھ میں پکڑے خلاؤں میں گھور رہی تھی۔

تبھی ۔۔۔ اسکی نظروں میں دو ہیولے ابھرے۔ پھر دونوں ہیولوں نے فخر عالم اور اس لڑکی کا روپ دھار لیا۔

لڑکی فخر عالم کے بازو میں بازو ڈالے بازار میں سے گزر رہی تھی۔ شوخ رنگ کے کپڑے اور تیز رنگوں کے میک اپ میں وہ پورے بازار کی نظروں کا تماشا بنی فخر عالم کیساتھ چلی جا رہی تھی۔

تو اب تک وہ یہیں تھی!

اچانک فخر عالم کی نظریں چائے کی دکان میں دھنک پر پڑیں۔ فخر عالم کی نشیلی آنکھوں میں جیسے دیپ سے جل اٹھے۔ پرکشش ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اور ۔۔۔ اسے دیکھتے دیکھتے وہ وہاں سے گزر گیا۔

یہ کیا معمہ تھا؟

پہلو میں ایک لڑکی اور شاید دل میں دوسری۔ پر نہیں ۔۔۔ دھنک نے جلدی ہی اپنے خیال کی۔ تردید کی وہ فخر عالم کے دل میں نہ کبھی تھی نہ ہے اور نہ رہے گی۔

وہ ایک امیر گھرانے کا فلرٹ آدمی تھا اور بس!

چائے سے فارغ ہو کر وہ لوگ پھر سے گھومنے نکلیں۔ راستے میں پھر وہ دونوں مخالف سمت سے آتے مل گئے۔

فخر عالم اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں پیار تھا، اپنائیت تھی۔

مگر ۔۔۔ دھنک سیدھی نکل گئی۔ کہ وہ اسکی منزل نہیں تھا۔ وہ اس کا مقدر نہیں تھا!

بھلا دریا کے دو کنارے بھی کبھی مل پائے تھے؟

اسکی زرین خوبصورت آنکھوں میں دو تارے سے ابھرے۔ اس نے جلدی سے آنکھیں جھپک لیں۔ مبادا کوئی دیکھ لے!

اسکی چھٹی بھی کل ختم ہونیوالی تھی۔ پرسوں واپس ڈیوٹی پر جانا تھا ۔۔۔ اچھا تھا چلی جاتی۔ اس تپتی آگ کی لپیٹوں سے تو نکل پاتی۔

چلتے چلتے اسکے پاؤں پر ایک پتھر آ گرا، اتنا بڑا بھی نہیں تھا۔ چوٹ تو لگی مگر اتنی بھی نہیں کہ وہ ۔۔۔

وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

پھر ۔۔۔ روتی چلی گئی۔ کہ دل پر بہت بوجھ تھا۔ ہلکا کرنے لگی اسے۔

تسلیم اور نیلم حیران تھیں کہ دھنک تو بہت صابر بہت مضبوط ہوا کرتی تھی۔

گھر پہنچ کر کھانے کے بعد باقی کا سارا وقت وہ بہنوں کیساتھ ٹی وی دیکھتی رہی۔ جبکہ اس سے قبل وہ باوجود بہنوں کے اصرار کے سیدھی جا کر بستر میں گھس جاتی ۔۔۔ کہ جب آنکھیں بند کرتی تو فخر عالم آن ٹپکتا!

اور آج ۔۔۔ ایسی کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔

کل اس نے واپس جانا تھا۔ آج دن کو سب گھر والے کھانا ساتھ لے کر دو تین میل دور پک نک منانے گئے۔ سہ پہر کو گھر آئے تو وہ تھکی تھکائی اپنے بستر میں گھس گئی۔ سو کر اٹھی تو طبیعت کچھ بحال تھی۔

وہ باتھ روم گئی۔ منہ ہاتھ دھوئے۔ مونگیا گرم کپڑوں پر گہرے رنگ کا خوبصورت سویٹر پہنا۔ کپڑوں کے ہمرنگ دوپٹہ لے کر جوگرز پہنے، کپڑوں پر پرفیوم کی سپرے کی۔ اور باہر برآمدے میں نکل آئی۔

گھر خالی پا کر اسے ہنسی آ گئی۔ اگر وہ ابھی سو رہی ہوتی تو ان لوگوں نے کبھی اسکا انتظار نہیں کیا۔ بس چل پڑے جدھر منہ کیا۔

وہ بھی باہر آ گئی۔ چلتی چلی گئی۔ بازار سے بھی آگے نکل گئی۔ یہاں وہ اکثر رک جایا کرتی تھی۔ دائیں طرف بہت بڑی کھائی تھی۔ جو خاص طور سے اس وقت کہر سے اٹی پڑی ہوتی تھی۔ کچھ بھی تو نظر نہ آتا تھا۔ سوائے سفید سفید دھند کے۔

دور اس پار البتہ پانچویں چھٹی چوٹی پر لمبی قطار میں درخت ڈوبتے سورج کی سرخی چرائے کھڑے رہتے تھے، اتنے سیدھے اور اتنے برابر فاصلے پر ــــ جیسے یونیفارم پہنے فوج کے جوان کسی مہم پر جانے کو تیار کھڑے ہوں۔

معاً موٹی موٹی بوندیں پڑنے لگیں۔

وہ تو چھتری بھی بھول آئی تھی۔ نہ ہی رین کوٹ کی ضرورت محسوس کی تھی۔ یہاں یہی تو اکثر دھوکہ ہو جاتا تھا۔ سنہری چمکتی دھوپ میں گھر سے نکلو اور پل بھر میں اچھی طرح بھیگ کر واپس گھر پہنچو۔

بارش تیز سے تیز تر ہونے لگی۔ گھر خاصا دور تھا۔ وہ چند قدم پر ٹوٹے پھوٹے کھنڈر نما مکان میں گھس گئی۔ کم از کم ٹین کی چھت تلے وہ چند گھڑی پناہ تو لے سکتی تھی۔

اندر ٹین کی چھت کی جلترنگ اور باہر غضب کی بارش اور ہوا کا طوفان! اسے تو یہ بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔

مگر ــــ بارش اور طوفان نے طول پکڑ لی۔ جل تھل ہونے لگا۔ بارش کی جیسے آسمان سے لیکر زمین تک چادر سی تن گئی اور ــــ وقت سے کہیں پہلے اندھیرا چھا گیا۔

اب وہ کچھ پریشان سی نظر آنے لگی۔

سامنے ڈھلانوں اور چوٹیوں پر کے مکانوں کی بتیاں جل اٹھی تھیں۔ اچانک جیسے ان گنت تارے آسمان سے ٹوٹ کر پہاڑ پر یہاں وہاں بکھر گئے تھے۔ اس گھپ اندھیرے میں ٹمٹماتی بتیاں۔ طوفان بادوباراں اور یہ ٹوٹا پھوٹا کھنڈر! پراسرار سا لگ رہا تھا سب۔

اس پر کسی کے بھاری قدموں کی چھاپ!

وہ دم سادھ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے بارش کی پہلی بوند کیساتھ ہی گھر کی طرف چل پڑنا چاہیے تھا۔ اس طرف کم از کم آبادی تو تھی۔ کسی کے مکان میں بھی گھڑی دو گھڑی کو پناہ لے سکتی تھی۔

وہ پچھتائی۔

اور ــــ لمحوں میں ہی رین کوٹ پہنے بارش میں سر سے پاؤں تک بھیگا ــــ فخر عالم اسکے سامنے تھا۔ اندھیرا ہونے کے باوجود وہ اسے پہچان گئی۔

"اوہ ــــ تم بھی یہاں ہو ــــ گڈ ایوننگ میم"۔ فخر عالم نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ ان ایزی سا محسوس کرنے لگی۔

دونوں بازو سینے پر لپیٹتے ہوئے وہ ٹوٹے دروازے کے چوکھٹ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ نظریں باہر کے طوفان پر جما دیں۔

"تمہیں یہاں اکیلے نہیں آنا چاہیے تھا"۔ اسی طرح باہر دیکھتے ہوئے وہ پھر بولا۔

دھنک نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

"بولو گی نہیں ___ ہاں۔" اس نے رخ دھنک کی طرف کر لیا۔

وہ چپ تھی۔

"بات کرو نا"۔

"نہیں"۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"خفا ہو؟"

اس نے پھر سر انکار میں ہلایا۔

فخر عالم دھیرے سے ہنس دیا۔ پھر سے باہر دیکھنے لگا۔

آسمان گرج رہا تھا، بجلی چمک رہی تھی، طوفان بڑھ رہا تھا۔

سردی بے تحاشہ اتر آئی تھی۔ دھنک کے کپڑے ناکافی ہو رہے تھے۔

خاصی بولڈ ہونے کے باوجود پتہ نہیں کیوں اسے آسمانی طوفان اور زلزلے سے بہت خوف آتا تھا۔ اس وقت بھی بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک سے سہمی جا رہی تھی۔

اب تو پانی اندر بھی آنے لگا تھا۔ تیز ہوا بدن کو چیرتی گزرنے لگی تھی۔ سردی حد پھلانگنے لگی تھی۔

"ادھر آجاؤ"۔ فخر عالم نے اسے کہا۔

کہ اسکی جگہ پھر بھی کچھ گزارا تھی۔

"نہیں"۔

وہ اسکی ضد پر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"دیکھو گیلی ہو رہی ہو بیمار ہو جاؤ گی"۔

"آپکو کیا بیمار بھی ہو گئی تو"۔ جانے کیسے وہ بول پڑی۔

وہ ہنس دیا۔ خوبصورتی سے۔

"میں بھی بیمار ہو جاؤں گا"۔

وہ طنزیہ سی مسکرا دی۔

پانی کا تیز ریلا آیا اور اسے سارا بھگو گیا۔

دھنک نے فخر عالم کی طرف دیکھا ___ مگر اب کے وہ بھی خاموش رہا۔ وہ خواہ مخواہ ضد کئے جا رہی تھی تو وہ کیا کر سکتا تھا۔

اچانک آسمان زور سے گرجا۔

فخر عالم نہ ہوتا تو دھنک کی چیخیں نکل جاتیں۔

وہ اپنی جگہ سے قدرے ہٹ آئی۔

فخر عالم اسے دیکھ دیکھ کر دلنشین انداز میں مسکرا رہا تھا۔

دھنک کو اچھا نہ لگا۔ خوبصورت ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔

باہر اچانک گھپ اندھیرا ہو گیا۔ ایسے موسم میں بجلی بھی فوراً فیل ہو جاتی تھی۔ تمام قصبہ تاریکی میں ڈوب گیا۔

معاً دور تک بجلی تڑپی۔ تمام علاقے کو پل بھر کو روشن کر گئی۔

اسکا دل باقاعدہ دھک دھک کرنے لگا۔ کچھ اور کھسک کر فخر عالم کی طرف ہو گئی۔

وہ اندھیرے میں اسکی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتا مدھر انداز میں مسکرا رہا تھا ___ اچھا لگ رہا تھا اسے یہ سب۔

"یہاں ان دنوں چیتے بھی نکل آتے ہیں"۔ وہ دھیرے سے بولا۔

اور دھنک اسکے بالکل ہی قریب چلی آئی۔ خوف سے پھیلی آنکھیں لئے وہ اندھیرے میں فخر عالم کو دیکھ رہی تھی۔

اچانک پاس سے ہی کسی جانور کی آواز آئی۔

اور ___ دھنک نے بے اختیار فخر عالم کا بازو پکڑ لیا۔

"گیدڑ ہے شیر نہیں"۔ وہ اطمینان سے بولا۔

اور خجل سی دھنک نے ___ اپنا ہاتھ اسکے بازو سے ہٹا لیا۔

فخر عالم بمشکل ہنسی روکے اسے دیکھ رہا تھا۔

یکدم ہی ایک بار پھر بجلی تڑپی۔

فخر عالم نے دیکھا دھنک اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ پھیلی پھیلی خوبصورت آنکھیں لئے۔

ان نظروں میں کچھ تھا ــــ آس! Longing!

وہ سرشار ہو گیا۔ اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا۔ اسے اپنے قریب لے آیا۔

اور ــــ گڑگڑاہٹ سے جیسے زمین و آسمان لرز اٹھے۔

فخر عالم نے سہمی سہمی دھنک کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ بے تحاشہ پیار کرنے لگا۔

"اب بھی کہو میں تمہیں پیار نہیں کرتا۔ اب بھی کہو فلرٹ کر رہا ہوں، اب بھی کہو میں اچھا آدمی نہیں..."

وہ خاموش رہی۔ اسکے بازوؤں کے حصار میں خود کو محفوظ سمجھتی اسے تکتی رہی۔

"تمہاری جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو یہی سمجھتا ــــ کہ فلرٹ ہوں، اچھا آدمی نہیں۔ اگر تمہیں پیار کرتا تو تمہیں حاصل کرنے کی سوچتا۔ پر میری جان میری کچھ مجبوریاں ہیں"۔ اس نے گہری سانس لی۔ "تمہیں بتا کر میں پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں چاہتا ہوں بے اندازہ، بے پناہ۔ تمہارے علاوہ تو میں کسی کا سوچ بھی نہیں سکتا مگر ــــ کچھ وقت لگے گا۔ تم امید ہے میرا ساتھ دو گی۔ میرا انتظار کرو گی۔" اسے پیار کرتے کرتے وہ کہتا گیا۔ اسکے لہجے میں بے بسی سی تھی، پریشانی سی تھی۔

اسکی بے بسی پریشانی دھنک کو اپنی روح میں اترتی محسوس ہوئی۔

جانے کیوں اسے اسکی باتوں میں سچائی کی مہک محسوس ہوئی۔

دو موتی لڑھک کر اسکے گال بھگو گئے۔

"میرا گھر، میرا ایڈریس، ٹیلیفون نمبر سب تمہیں پتہ ہیں۔ ہم آپس میں ملتے رہیں گے۔ کب تک؟ یہ میں خود بھی نہیں کہہ سکتا۔ مگر یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تم سے محبت ہے۔ فلرٹ نہیں کر رہا۔ حقیقت ہے یہ..." اسکی بھیگی بھیگی آنکھوں پر پیار کرتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے کہتا گیا۔

بارش کب تھمی؟ آسمان کب خاموش ہوا؟ طوفان کب رکا؟

انہیں کوئی ہوش نہیں تھا۔ خبر تھی تو بس اتنی کہ دھنک فخر عالم کے بازوؤں میں تھی۔ دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے اور گرم گرم سانسیں ایک دوسرے میں مدغم ہو رہی تھیں۔

"آؤ تمہیں چھوڑ آؤں۔ تمہارے گھر والے پریشان ہو رہے ہونگے"۔ فخر عالم ہوش میں آہی گیا۔

"چلیں"۔

اور فخر عالم کے ٹورچ کی روشنی میں وہ محتاط قدم اٹھاتے اونچے نیچے پتھروں، ڈھلانوں پر چڑھتے اترتے۔ دھنک کے فلیٹ کی طرف جانے لگے۔

"او کے۔ گڈ نائیٹ۔ سی یو"۔ وہ اسکے گھر سے چند قدم دور ہی رک گیا۔

"گڈ نائیٹ۔" وہ بھی دھیرے سے بولی اور ــــ

آگے بڑھ گئی۔

اسے یہ فکر نہیں تھی کہ گھر میں پوچھ گچھ ہوگی۔ کیونکہ یہاں کا موسم ہی ایسا تھا۔ گاؤں بھی بالکل چھوٹا سا تھا۔ بارش میں کوئی کہیں رک کر اسکے ختم ہونے کا انتظار کر سکتا تھا۔ کسی کے گم ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں تھا ــــ سوچتی ہوئی وہ گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

دن بیت رہے تھے۔ بے کیف سے۔ وہ روزانہ رسالے کے دفتر جاتی۔ کان منتظر رہتے کہ شاید فخر عالم کی کوئی خبر ملے۔ پھر سوچتی ابھی تو صرف چند دن ہی ہوئے ہیں اسے واپس لوٹے۔ ابھی شاید فخر عالم اور بھی رہے گا وہاں۔

نہ کبھی دھنک نے اسکا پروگرام پوچھا تھا، نہ ہی اس نے کوئی خاص بتایا تھا۔ کہ کب لوٹ رہا تھا۔ شاید برف پڑنے تک اس نے وہیں رہنا تھا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا دیتی۔

پھر اچانک خوبصورت چہرے پر سائے سے چھا جاتے۔ کیا وہ لڑکی ابھی تک ادھر تھی؟

اور کیا فخر عالم کے نہ آنے کی وجہ وہ لڑکی ہی تھی؟

کون تھی وہ لڑکی؟ کیا لگتی تھی فخر عالم کی؟

وہ تو فخر عالم کو اس قدر شدت سے چاہنے لگی تھی کہ واپس لوٹنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ورنہ شاید کوئی اور اسکی جگہ ہوتی تو کبھی کی مایوس ہو کر فخر عالم کا خیال چھوڑ چکی ہوتی۔ اسکی Will power کہاں گئی۔

دولڑکیوں میں بٹے آدمی کا کیا بھروسہ؟

"اے لڑکی۔ تم مجھے اچھی لگتی ہو"۔ آصف تھا، اسکا کولیگ۔ آتے ہی بیگ ڈیسک پر رکھتے ہوئے بولا۔

وہ خیالوں سے چونکی۔ مسکرا دی۔

"اے لڑکے۔ تم بھی مجھے اچھے لگتے ہو"۔ اس نے بھی اسی کے لہجے میں کہا۔

"شادی تم نے میرے ساتھ کرنی ہے"۔

"بس یہی مشکل ہے"۔

آصف اور دھنک کے درمیان ہفتے میں دو ایک بار ضرور یہ تکرار چلتی۔ آصف کو دھنک اس مطلب سے اچھی لگتی بھی تھی یا نہیں پر کہتا ضرور تھا۔

"وہ جو آنٹی بار بار تکرار کر رہی ہیں انہیں انکار لکھ دو"۔ آصف نے کہا۔

"اچھا۔ بلکہ میں تو پہلے ہی ایک دفعہ انکار لکھ چکی ہوں"۔

"یہ ہوئی نا بات"۔

"بالکل نہیں ہوئی۔ یہ بتاؤ صبح سے کہاں غائب تھے۔ پتہ ہے کچھ بارہ بج رہے ہیں"۔ دھنک اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

"کوئی ضروری کام تھا۔ کسی نے پوچھا تو نہیں تھا؟"

"پوچھا تھا۔ میں نے بہانہ بنا دیا۔ آج مجھے بھی جلدی ہے۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔ گھر جاؤنگی ذرا ریسٹ لونگی"۔

"تھوڑی دیر ٹھہرو۔ پھر اکٹھے چلتے ہیں"۔

"اچھا"۔

اور آصف کمرے سے نکل گیا۔

پھر ٹھیک ایک بجے آیا۔

"آؤ چلیں"۔

دونوں باہر آ گئے۔ آصف کی موٹر بائیک پر دھنک بھی اسکے پیچھے بیٹھ گئی۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا تھا۔ کبھی پریس سے متعلق کسی کام سے، کبھی دونوں کو اکٹھے کوئی اسائنمنٹ ملی ہوتی۔ اور کبھی اسے بس نہ ملتی تو وہ آصف کیساتھ ہی فلیٹ آ جاتی تھی۔

دونوں چل پڑے۔ کچھ ہی دور گئے تھے۔ دھنک نے دیکھا۔

فخر عالم تھا ــــ آج اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ انکے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

دھنک کی ہیزل آنکھوں میں قندیلیں سی جل اٹھیں۔ خوبصورت ہونٹ مسکرا دیئے۔ نازک سے ہاتھ سے اسے ویو کیا۔

دیو کا جواب اس نے بھی دیا۔ نظریں بھی دھنک پر جمی تھیں مگر۔۔۔

جیسے غصے میں تھا اور بڑے ضبط سے کام لے رہا تھا۔ جیسے خفا بھی تھا مگر چھپا رہا تھا۔

کیوں؟ شاید اسلئے کہ وہ آصف کیساتھ بیٹھی تھی؟

اچھا ہوا۔ اسے بھی پتہ چلے یہ آگ کیا ہوتی ہے؟

آصف اپنے فلیٹ کی طرف مڑنے لگا تو فخر عالم نے تیزی سے گاڑی سیدھی نکال لی۔

آج پھر وہ چھٹی کے وقت آفس کے قریب ہی بس سٹاپ پر کھڑی بس کا انتظار کر رہی تھی۔

تبھی ایک بار پھر فخر عالم کی کار اسکے پاس آ کر رکی۔ آج بھی وہ اکیلا ڈرائیو کر رہا تھا۔

"آؤ۔" پسنجر سیٹ کا دروازہ اس کیلئے کھولتے ہوئے وہ بلا تمہید بولا۔

وہ کچھ جھجک سی رہی تھی۔ جانے دفتر والے دیکھ کر کیا سوچیں؟ جھوٹا پروپیگنڈا سکینڈل

بننے کوئی دیر تھوڑی لگتی تھی۔

"آؤ۔" وہ ایک بار پھر بولا۔ اس کے لہجے میں حکم کیساتھ پھنکار سی بھی تھی۔

وہ بیٹھ گئی۔ گاڑی چل پڑی۔

"آفس والے باتیں نہ بنالیں اسلیئے..." وہ آہستہ سے کہنے لگی۔

"کل موٹر بائیک پر اس لڑکے کیساتھ چپکی چلی جارہی تھیں۔ تب باتوں کا ڈر نہیں تھا۔"

اسکے لہجے میں دھاڑ سی تھی۔

نڈر سی دھنک بھی سہم گئی۔

"وہ تو... وہ تو میرا کولیگ ہے"۔

"کولیگ کیا مرد نہیں ہوتا۔"

وہ چپ رہی۔ سامنے دیکھنے لگی۔

"آئندہ اگر میں نے تمہیں اس لڑکے کیساتھ دیکھا تو اچھا نہیں ہوگا۔" وہ اب بھی غصے

میں تھا۔

دھنک کو اچھا نہیں لگا۔ اتنا رعب ڈالے جا رہا تھا۔

"آپ مجھے بلا وجہ ڈانٹ رہے ہیں"۔

"چلا جب؟" چند لمحوں کو اس نے گاڑی کی رفتار دھیمی کرلی۔ رخ اسکی طرف کیا۔ اور آہستہ سے اسے اپنے پہلو سے لگا لیا۔

"اتنا عرصہ گزر گیا۔ کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں۔ اور ایک مرد اپنی محبت کو کسی اور کیساتھ نہیں دیکھ سکتا۔"

"یہی حال ایک لڑکی کا بھی ہوتا ہے۔ وہ بھی اپنے پیار میں کسی کو شریک نہیں دیکھ سکتی۔"

دھنک نے بڑی ہوشیاری سے اس لڑکی کا Hint دیا۔

ایک پل کو وہ گڑبڑا سا گیا۔ پھر سنبھلنے کی کوشش کی۔

"تمہارے پیار میں کوئی شریک نہیں ہے۔" وہ بڑے وثوق سے بولا۔

"پھر وہ بھی میرا سیدھا سادا کولیگ ہے"۔

"جیسا بھی ہے"۔ "ہے تو غیر مرد۔ دیکھنے والے باتیں بنا سکتے ہیں"۔ فخر عالم نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"اور... آپ کیساتھ کیا خیال ہے گھومتے ہوئے باتیں نہیں بن سکتیں"۔

وہ ہنس دیا۔ خوشگواری سے

"میری بات اور ہے"۔

"کیا ہے؟"

"یہ ہے"۔ اس نے ہولے سے اسکا نازک سا ہاتھ دبایا۔ "ویسے تمہیں پتہ ہے میں پولیس والوں سے الرجک ہوں۔ پتہ نہیں کیسے یہ دو دن میں اس طرف آ گیا۔ آئندہ میں تمہارے فلیٹ پر آیا کرونگا"۔

"میرے ساتھ فلیٹ میں ایک ٹیچر بھی رہتی ہے"۔ دھنک نے مطلع کرنا مناسب سمجھا۔

"پھر؟ پھر کہاں ملیں گے ہم لوگ۔" وہ تذبذب میں پڑ گیا۔

"ملیں گے ہی نہیں کیا فرق پڑتا ہے"۔ وہ شرارت سے بولی۔

"میں مر جاؤنگا"۔ وہ ہنس دیا۔

"میں بھی مر جاؤں گی"۔ وہ بھی ہنس دی۔

"اچھا سیریسلی۔ کوئی حل ڈھونڈتے ہیں... میں فلیٹس کے احاطے سے باہر ہارن کر دیا کرونگا۔ تم سمجھ لینا اور آ جانا۔ پھر گھومنے نکلیں گے ادھر ادھر..."

"آپکا اور کوئی کام نہیں ہے"۔ اس نے اسے چھیڑا۔

"اوں ہوں"۔ اس نے خوبصورتی سے سر نفی میں ہلا دیا۔

جبکہ ـــ اس کی اتنی مصروفیات تھیں کہ وہ خود حیران ہوتا تھا کہ کیسے وہ دھنک کیلئے وقت نکال پاتا تھا۔

"تم مجھے فون کیوں نہیں کرتی ہو"۔

"کیا تھا"۔

"کب؟"

"کچھ دن پہلے۔ مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا"۔

"ظاہر ہے وہ میرا پرائیویٹ نمبر ہے اور میں صرف پرسوں آیا ہوں۔ اب کرنا"۔

"اچھا۔ مگر زیادہ بات نہیں ہو سکے گی"۔

"کیوں؟"

"آفس کا فون ہوگا نا"۔

"اوہ ـــ تمہارے فلیٹ میں فون نہیں"۔

"نہیں"۔

"ہمہ"۔ اس نے جھنجھلا کر سٹیرنگ پر ہاتھ مارا۔ "بس سیدھی سی بات ہے۔ میں تمہارے فلیٹ پر آ کر سب کے سامنے تمہیں ساتھ لے جاؤنگا۔ دیکھتا ہوں کوئی کیا کرتا ہے..." وہ جھنجھلایا جھنجھلایا بول رہا تھا۔

اور دھنک دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھی۔

کچھ دیر دونوں طرف خاموشی رہی۔

"اب کس طرف نیم؟"

"الف۔ اور تیسرا گیٹ ہمارے فلیٹس کا ہے"۔

"ہوں"۔ اور سیکنڈز میں وہ گیٹ کے پاس تھا۔

"اچھا۔ خدا حافظ"۔ دھنک گاڑی سے نکلتے ہوئے بولی۔

"خدا حافظ"۔ فخر عالم نے ہاتھ ہلایا۔

اور ۔۔۔ واپس اپنی راہ پر چل دیا۔

آجکل وہ دو جڑواں بہنوں پر فیچر لکھ رہی تھی۔ لوگ نزدیک ہی رہتی تھیں۔ کسی دستکاری کے ادارے میں کام کرتی تھیں۔ دھنک کو پتہ چلا تو فوراً جا پہنچی۔ ان سے انٹرویو لیا۔ بڑی زبردست یکسانیت تھی دونوں بہنوں میں۔ شکلیں ایک جیسی، آواز ایک جیسی، باتوں کا انداز ایک سا، ہنسی، سنجیدگی سب۔ وہ بار بار دھوکہ کھا جاتی ۔۔۔ بڑا دلچسپ فیچر تیار ہو رہا تھا میگزین کیلئے!

گرمی کا زور ختم ہو چلا تھا۔ دن چھوٹے راتیں طول پکڑ رہی تھیں۔ پرسوں سے بادل آ جا رہے تھے۔ بس دو ایک بارشوں کی دیر تھی اور پھر ۔۔۔ سردی!

سردی کا موسم اسے بے حد اچھا لگتا تھا۔ سردی کی آمد اپنے ساتھ انوکھی خوشی کا پیغام لاتی تھی۔ اور اس دفعہ تو فخر عالم بھی اسکی زندگی میں آ داخل ہوا تھا۔ زندگی اچانک کتنی حسین ہو گئی تھی۔

اس وقت پھر وہ ان دو بہنوں کی طرف رواں دواں تھی۔ آج آخری نشست تھی اور پھر فیچر مکمل ہو جانا تھا۔ کندھے سے بیگ لٹکائے تیز تیز قدم اٹھاتی وہ فٹ پاتھ پر چلی جا رہی تھی۔ زیبرا کراسنگ پار کرنے لگی تو نظر بائیں طرف کی ایک کار پر جا پڑی۔ فخر عالم تھا ۔۔۔ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور ... اور ... وہی لڑکی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ۔۔۔ شاید اسے کہیں لے جا رہی تھی۔

وہ کسی طرح کراسنگ پار کر ہی گئی۔ گو دل تھا کہ کرچیاں ہو گئی تھیں اسکی ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔

اور ۔۔۔ اسے اچانک احساس ہوا فخر عالم میں اور اس میں اتنا ہی فرق تھا جتنا فٹ پاتھ

پر چلنے والوں اور کاروں میں چلنے والوں میں ہوتا ہے۔

وہ اور بری آج ہی اس بات کو ختم کیوں نہیں کر دیت؟

وہ جانتی تھی فخر عالم اسکے دل میں دھڑکن بن کر دھڑک رہا تھا، روح بن کر جسم میں سو گیا تھا۔ مگر وہ اپنی توہین بھی تو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ حالات ایسے ہو گئے تو وہ سو فخر عالموں کو اپنی عزت پر قربان کر سکتی تھی۔ اور ۔۔۔

اس نے تہیہ کر لیا۔ وہ اس سے قطع تعلق کر لے گی!

جبکہ ساتھ میں وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ ایسا کرنے میں وہ ٹوٹ پھوٹ جائیگی، بکھر جائیگی۔

ان لڑکیوں کے انٹرویو سے فارغ ہو کر وہ سیدھی اپنے فلیٹ پر گئی۔ کچھ دیر تو یوں ہی بے سدھ سی بستر پر اوندھی پڑی رہی۔ ذہن جیسے ماؤف ہو گیا تھا اور کسی بھی قسم کی سوچ، غور و خوض کے قابل نہ رہا تھا۔

پھر جانے کس وقت فرزانہ آ گئی۔ دھنک نے سر اٹھا کر دیوار پر لگے کلاک پر نظر ڈالی۔ ڈھائی بج رہے تھے۔

"کیا بات ہے دھنک۔" وہ پاس بیٹھ کر پیار سے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں"۔ اور اسکی گود میں سر رکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

کب تک یہ لاوا اسکے ذہن و دل میں پکتا رہتا۔ کبھی تو باہر نکلنا ہی تھا اس نے۔

"میں دیکھ رہی ہوں کافی دنوں سے تم میں بہت چینج آ گیا ہے۔ کبھی بہت خوش دکھائی دیتی ہو۔ کبھی کچھ سوچتی ہوئی گم سم۔ مجھے بتاؤ شاید تمہارے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو"۔ وہ ہمدردی سے اسکے آنسو اپنے دوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے بولی۔

"ہاں فرزانہ کبھی میں بہت خوش ہوتی ہوں۔ اور کبھی گم سم۔ تم ٹھیک کہتی ہو"۔ وہ پھر رو دی۔

"بتاؤ گی نہیں کیا بات ہے؟"

"یہی تو مشکل ہے میں بتا نہیں سکتی"۔ وہ روتے روتے بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے مت بتاؤ۔ اٹھو منہ دھو لو۔ کیا حال کر لیا ہے اپنا۔ کھانا کھاتے ہیں پھر چلتے ہیں۔ بڑی اچھی مووی لگی ہے دیکھیں گے۔ آج آخری دن ہے اسکا"۔

"میں مووی نہیں دیکھوں گی"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میرا دل نہیں کرتا"

"چلو شاباش تم منہ دھو لو اور آؤ میز پر۔ میں کھانا لگاتی ہوں"۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر میز پر آ گئی۔ فرزانہ نے کھانا گرم کر کے اسکے سامنے لگایا۔ خود بھی بیٹھ گئی۔

"دیکھو دھنک۔ تم مجھ سے چھوٹی ہو۔ میرا فرض ہے تمہیں سمجھانا۔ جس راہ پر تم چل نکلی ہو۔ پھونک پھونک کر قدم اٹھانا۔ یہ راستے بڑے دشوار ہوتے ہیں۔ اور میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ تمہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے"۔

دھنک نے چونک کر اسے دیکھا۔ کیا وہ سب جانتی تھی؟

"مجھے کچھ معلوم نہیں وہ کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ مگر یہ ضرور کہوں گی کہ بہت احتیاط سے کام لینا۔ جذبات سے زیادہ عقل سے کام لینا۔۔۔" وہ کھانا شروع کرتے ہوئے پھر بولی

دھنک کچھ نہیں بولی۔ ہاں دل ہی دل میں فرزانہ کی ممنون ہوئی۔ ایک خیر خواہ اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہے؟

شام کو فرزانہ اسے زبردستی مووی دکھانے لے گئی۔

کافی رش تھی۔ آخری دن جو تھا فلم کا۔ وہ دونوں بھی ٹکٹ لے کر گیلری میں جا بیٹھیں۔

فلم شروع ہوئی واقعی اچھی تھی۔ دونوں دلچسپی سے دیکھنے لگیں۔ بریک ہوئی تو محویت ٹوٹی۔

ہال میں بتیاں جل اٹھیں۔ وہ دونوں ریلیکس ہو کر بیٹھ گئیں۔

معاً اسے پیچھے باکس سے فخر عالم کی باتوں کی آواز سنائی دی۔ چونک کر وہ مڑی۔ دیکھا۔۔۔ وہی لڑکی فخر عالم کے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ اور فخر عالم اس سے باتوں میں مصروف تھا۔

قمر عالم کی نظر بھی دھنک پر گئی۔ وہ کچھ چور سا نظر آنے لگا۔

اور ـــــ دھنک رخ واپس موڑ کر اپنے کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

فلم میں آگے کیا ہوا؟ کب ختم ہوئی؟ اسے کوئی ہوش نہیں تھا۔ فرزانہ ہی اسے ہاتھ سے تھام کر لوگوں کی بھیڑ میں سے باہر نکال لائی۔

فلیٹ پر پہنچ کر وہ پھر بستر میں پڑ رہی۔ ایک بار پھر بلک بلک کر رو دی۔

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ نیچے سے جانا پہچانا سا ہارن ابھرا۔

یہ قمر عالم کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مگر وہ ہرگز نیچے نہیں جائیگی اس نے سوچا۔ اور اسی طرح اوندھی بستر پر پڑ رہی۔ اب بھی ڈھیر سارے آنسوؤں کے درمیان ہچکیاں لیتی۔

ایک بار پھر ہارن ہوا ـــــ اب بھی اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ پھر تھوڑی دیر بعد نچلے فلیٹ کا دس بارہ سالہ حامد اوپر آ گیا۔

"باجی دھنک آپکو کوئی نیچے بلا رہا ہے"۔

اس نے تکیے سے ہی چہرہ رگڑ کر آنسو خشک کئے۔ اچھا تھا فرزانہ باتھ روم میں تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ نیچے آنے لگی۔ کہ فرزانہ یا پھر یہ حامد یا اسکے گھر والے کیا سوچتے کون آیا تھا جسے وہ ملنے سے کترا رہی تھی۔ نہ جاتی تو بیسیوں باتیں بنتیں۔

وہ سامنے سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ گئی۔

چپ چاپ۔ بولنے کو تھا بھی کیا؟

"آؤ بیٹھو گاڑی میں"۔ وہ متانت سے بولا۔

دھنک کے بکھرے بال، بھیگا بھیگا چہرہ، سرخ متورم آنکھیں بتا رہی تھیں جو اس پر بیت رہی تھی۔

وہ چپ رہی۔ سوائے ایک گہری سی سانس کے۔

"بیٹھو نا"۔ اس نے اصرار کیا۔

"جو بات کرنی ہے ادھر ہی کر دیں مجھے دیر ہو رہی ہے"۔ آخر وہ بول ہی پڑی۔ لہجہ یکسر

اجنبیت لئے تھا۔

"تم یوں نہیں مانو گی"۔ وہ گاڑی سے باہر نکل آیا۔

آس پاس کی پرواہ کئے بغیر اسے بازو سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے پسنجر سیٹ تک لایا بٹھایا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اپنی سیٹ پر آیا۔ گاڑی سٹارٹ کی اور آگے بڑھنے لگا۔

"اب بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں؟" قمر عالم نے ابتدا کی۔

"کچھ نہیں"۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر یہ حالت کیوں ایسی بنا رکھی ہے۔ بات کیوں نہیں کر رہی ہو"۔

"میری مرضی میں جس طرح بھی رہوں"۔

"آخر کچھ تو پتہ چلے"۔ وہ جھنجلایا ہوا سا تھا۔

"کچھ بھی نہیں ہے"۔

"بتاؤ ورنہ..." وہ تیز ہو رہا تھا۔

"کیا کر لیں گے"۔ وہ بڑے تحمل سے بولی۔

اس نے گہری سانس لی ـــ جیسے غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"اس لڑکی کی وجہ سے خفا ہو"۔

"مجھے کیا آپ جس کیساتھ بھی پھریں"۔

"تمہیں کوئی پرواہ نہیں میں جو بھی کروں؟" گاڑی ایک طرف روک کر اس نے رخ اسکی طرف کر لیا۔

"بالکل نہیں"۔

"اسکا مطلب ہے میں تمہارا کچھ بھی نہیں"۔

"ہاں ـــ کچھ بھی نہیں ہیں"۔

"کچھ بھی نہیں ہوں"۔ ساتھ ہی جانے کیسے اس کا وزنی ہاتھ اسکے پھول سے گال پر جا پڑا۔

"کچھ بھی نہیں ہیں۔ کچھ بھی نہیں ہیں"۔ وہ گال پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

"چند لمحے فخر عالم اپنے اسی ہاتھ کو بند کرتا کھولتا رہا۔ گھورتا رہا اسے ــــ جیسے اپنے کیے پر پچھتا رہا ہو، نادم ہو۔

پھر ــــ آہستہ سے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ اسکے احتجاج کے باوجود سینے سے بھینچ لیا۔ اسکی نہیں نہیں کے باوجود اسکے ماتھے پر ہونٹ رکھ دیئے۔

"میں ہی تمہارا سب کچھ ہوں۔ صرف تمہارا ہوں۔ کل بھی تھا، آج بھی ہوں، اور ہمیشہ رہونگا..."۔ وہ کہتا رہا۔

اور ــــ اسکے پیار میں بے بس دھنک انداز خود سپردگی لئے اسکے بازوؤں میں مقید پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

اپنا فیصلہ پھر بھلا کر، اپنا ارادہ قطع تعلق پھر بھول بھال کر۔

کیا تھا اس میں ــــ جو چاہتے ہوئے بھی وہ اس سے تعلق توڑ نہ پا رہی تھی۔

"اچھا اب مسکرا دو پلیز"۔ اسکا بھیگا بھیگا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔

وہ چپ رہی ــــ اب بھی سوا ندیشے، سو شکوے تھے سرخ متورم آنکھوں میں۔

فخر عالم نے باری باری اسکی دونوں آنکھوں پر پیار کیا۔

"مسکرا دو نا"۔

اور وہ ــــ افسردگی سے مسکرا دی۔

یہ بھی بہت تھا ــــ فخر عالم نے اسے پہلو سے لگائے لگائے گاڑی سٹارٹ کی۔ آبادی سے باہر نکل کر کافی دیر تک ادھر ادھر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔

آخر کار ــــ پھر اسے اسکے فلیٹ پر لے آیا۔

"زیادہ سوچا نہیں کرو۔ ہوں"۔

وہ پھر ہولے سے مسکرا دی۔ بے یقینی سے، بے اعتمادی سے۔

"مجھ پر بھروسہ نہیں"۔

"نہیں"۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

اور ــــ فخر عالم نے گہری سانس لی۔

"او کے۔ گڈ نائیٹ"۔ اس نے اسکا ہاتھ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"گڈ نائیٹ"۔ وہ بھی ہولے سے بولی۔

اور گاڑی سے نکل کر کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنے فلیٹ کی طرف بڑھی۔

صبح کی نماز سے فارغ ہو کر وہ فلیٹ کے آگے برآمدے میں نکل آئی۔ صبح کی سپیدی میں تقدس جھلک رہا تھا۔ سامنے موتیا کی بیل میں بس اکا دکا پھول ہی کھلے تھے۔ سفیدے کے درختوں کے پتے پیلے ہو رہے تھے۔ خزاں پر پھیلائے چھا جانے کو تیار تھی۔

مختصر سا ہارن ہوا اور اسکی محویت ٹوٹی۔

دیکھا مین گیٹ سے قدرے پرے فخر عالم کی جیپ کھڑی تھی۔ اکیلا تھا۔ اسے ہی متوجہ کرنے کو ہارن دیا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اسکے قدم سیڑھیوں پر اترنے کو بڑھے۔

"میں جا رہا ہوں پہاڑ پر۔ رات ہی مینیجر کا فون آیا تھا کچھ ضروری کام ہیں دیکھنے کو۔ سوچا تمہیں بتاتا چلوں۔ ورنہ پھر منہ پھلا بیٹھو گی"۔ وہ خوش گواری سے بولا۔

"کب واپس آئینگے؟" اس نے یوں ہی پوچھ لیا کہ اب اسکا دل کسی خاص خوش فہمی میں جلتا نہ تھا۔

"جلدی آؤنگا۔ پرسوں تک شاید۔ تمہارے بغیر رہ سکتا ہوں کہیں"۔

وہ مسکرا دی۔ باوجود کوشش کے مسکراہٹ کا طنز چھپا نہ سکی۔

"اچھا چلتا ہوں دیر ہو رہی ہے۔ ہاں"۔ اس نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"او کے۔ بائے"۔ وہ مڑنے لگی۔

اور فخر عالم ـــ مسکرا دیا۔ کچھ افسردہ سا۔ کہ وہ کسی طرح اسکے پیار پر یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔

"بابائے۔ سی یو"۔

وہ بھی چل دیا۔ واقعی دیر ہو رہی تھی اسے۔

دھنک تیار ہوئی۔ آفس جانے کیلئے بس سٹاپ پر آئی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ کہ سامنے سے جیپ آتی دکھائی دی۔ وہی جیپ تھی جو کچھ دیر قبل فلیٹس کے گیٹ کے پاس کھڑی تھی، جس میں فخر عالم تھا اور جس نے ہارن دیکر اسے اپنے پاس بلایا تھا۔

جیپ پاس سے گزرنے لگی تو اس نے دیکھا جیپ ڈرائیور چلا رہا تھا۔ پچھلی سیٹ پر فخر عالم تھا اور فخر عالم سے چپٹی ـــ وہی لڑکی بیٹھی تھی۔

دھنک کو فخر عالم کے دورخی رویے پر غصہ کی بجائے افسوس ہونے لگا۔ کہ غصہ تو پہلے بھی اسے کئی بار آ چکا تھا۔ دکھ بھی ہوا تھا۔ مگر ـــ

اس وقت افسوس ہو رہا تھا۔ اتنی باوقار شخصیت، اتنا بڑا آدمی، اتنا نامی گرامی خاندان ـــ اور اتنی اوچھی حرکت ـــ بیک وقت دو لڑکیوں کیساتھ معاشقہ!

اور کیا پتہ۔ وہ طنز سے ہنس دی۔ دو سے بھی کہیں زیادہ لڑکیاں ہوں۔ جنہیں وہ بیک وقت Handle کر رہا تھا۔

اس نے گہری سانس لی۔ پھر سر جھٹک دیا۔

یہ آدمی کم از کم اسکی سمجھ سے باہر تھا!

بس آئی اور وہ بیٹھ کر آفس چل دی۔

"آیئے مس دھنک تشریف لایئے"۔ اسے دیکھتے ہی آصف بولا۔

وہ مسکرا دی۔

"کیوں۔ کوئی خاص خبر ہے کیا"۔

"ہاں۔ وہ جو تمہارا دشمن تھا نا۔ مسٹر فخر عالم۔ آجکل اس کیساتھ ایک لڑکی گھومتی پھرتی نظر آتی ہے..."

دھنک کا دل دھڑک اٹھا ـــ کہیں وہ خود دھنک پر تو چوٹ نہیں کر رہا تھا؟

"کون لڑکی؟" وہ آہستہ سے بول پائی۔

"یہی تو پتہ کرنا ہے وہ کون ہے؟ مسٹر فخر عالم کا اس سے کیا رشتہ ہے؟ میگزین بک جائیگا اس خبر سے۔ اتنا نامی گرامی اور ڈشنگ شخص ایک لڑکی کو لئے لئے پھرتا ہے۔ کیا اس سے شادی تو نہیں کرنیوالا؟ دونوں کی تصویر بھی ہو جائے..."

"چھوڑ دو بھی۔ یہ اسکا پرسنل معاملہ ہے" وہ بمشکل بولی۔

"اوں ہوں۔ وہ ملک کے گنے چنے امیروں میں سے ہے جس نے کئی فلاحی ادارے کھول رکھے ہیں۔ جو قوم کی خلوص دل سے خدمت کرتا ہے۔ ہیرو ہے قوم کا سو پبلک پراپرٹی ہوئی نا۔ اسکی ہر Activity پتہ چلنا چاہیے قوم کو..."

"اسکو چھوڑو کوئی اور بات کرو"۔

"کیسے چھوڑوں۔ پتہ ہے جب سے اصلی مجرم پکڑا گیا ہے۔ لوگوں کو کتنی ہمدردی ہوگئی ہے اس کیساتھ۔ کوئی اسکی میچنگ پرسنلٹی کی بات کرتا ہے تو کوئی اسکی وسیع القلبی کی ۔۔۔ لڑکیاں بے حد متجسس ہیں اسکے بارے میں کچھ جاننے کو..."۔

"چپ بھی کرو۔ عالم۔ عالم۔ عالم۔ اور کوئی جیسے ہے ہی نہیں اس دنیا میں"۔ اسکا جیسے اس Topic سے سر پھٹنے لگا۔

"لگتا ہے تمہاری دشمنی ابھی تک جاری ہے بیچارے سے"۔ وہ کچھ حیران سا بولا۔

"بک جاتی ہے۔ اچھا اب تو چلتا ہے گداگروں کی تلاش میں۔ سر نے کہا تھا جلدی مکمل کرنے کو"۔

دھنک نے گہری سانس لی۔

"بہت بہتر۔ چلیے" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

[illegible] ایک دن تھی۔ خاصی دلچسپ بھی۔ عجیب عجیب انکشافات ہوئے تھے۔ کبھی [illegible] جاتی کبھی ہمدردی ہونے لگتی ان سے۔

"[illegible]" [illegible] سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں۔ کل آئینگے پھر"۔ دھنک نے کہا۔

اور دونوں موٹر بائیک پر بیٹھ کر چل پڑے۔

دن مختصر ہوتے جا رہے تھے۔ گلابی دن ڈھلتے ہی سیندوری شامیں اتر آتی تھیں۔ بوندا باندی اور ہوا کے جھونکے موسم کو سرد بنا رہے تھے۔ سردی ___ جسکا تصور ہی اس کی روح میں خوشیوں کی لہر دوڑا دیتا تھا۔ اب کے کچھ اداس اداس تھی، افسردہ افسردہ تھی۔

کافی دن ہو گئے تھے اسے فخر عالم کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ نہ کوئی فون آیا تھا نہ وہ خود۔ نہ ہی دھنک نے فون وغیرہ کر کے اسکا پتہ کیا تھا۔ گو وہ فخر عالم کو دل سے نکال نہیں سکتی تھی مگر خود سے ملنا ملانا بے تکا لگتا۔ یہ بھی سب اس نے چھوڑ دیا تھا۔

کچھ عرصہ قبل وہ کتنی شوخ و چنچل، چاق و چوبند ہوا کرتی تھی۔ حاضر دماغ حاضر جواب۔ پر اب تو ___ جیسے اپنے آپکو گھسیٹ رہی تھی۔ خوبصورت چہرے پر اداسی کی مستقل چھاپ لگ گئی تھی۔ لاکھ خود کو مصروف رکھتی مگر دل تھا کہ ___ بجھ کر رہ گیا تھا۔

آج وہ رسالے کے دفتر نہیں گئی تھی۔ بہت تھکا تھکا سا محسوس کر رہی تھی۔ رات کے کپڑوں ہی میں آرم چیئر پر کھلی کھڑکی کے قریب بیٹھی باہر خلاؤں میں گھور رہی تھی۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔

بادل نخواستہ وہ اٹھ کر دروازے پر گئی۔ کھولا۔

فخر عالم تھا ___ مجسم اشتیاق، مجسم خوشی!

چہرے پر خوشی کی دمک، ہونٹوں پر دلآویز تبسم!

"آپ... آپ کیسے...؟" وہ کچھ حیران سی ہوئی۔

"تھوڑی دیر پہلے میں نے تمہارے آفس فون کیا" وہ اندر آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "پتہ چلا تم نہیں آئیں۔ میں ادھر آ گیا" وہ آرام سے مقابل والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ٹانگیں

درمیان میں رکھی میز پر سیدھی پھیلا دیں۔

دھنک اسکے پاس سے گزر کر اپنی کرسی کی طرف جانے لگی۔

فخر عالم نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ اپنی کرسی کے بازو پر بٹھا لیا۔

"سناؤ ___ کیسے رہیں اتنے دن؟" اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ اپنائیت سے بولا۔

"ٹھیک"۔

"ٹھیک تو نہیں لگ رہیں"۔

اُسکے چہرے پر اداسی کی گہری چھاپ چھپ تو نہیں سکتی تھی۔

وہ چپ رہی۔

"بولو نا۔ باتیں کرو نا۔ بہت سی، ڈھیر ساری۔ میں تو ترس گیا تھا اتنے دن تمہاری آواز کو"۔

"اچھا"۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ طنزیہ اداس مسکراہٹ۔

"میں نے دو بار تمہیں فون بھی کیا تھا مگر تم اپنی ڈیوٹی کے سلسلے میں کہیں باہر نکلی تھیں۔ تمہیں نہیں بتایا کسی نے؟"

"اوں ہوں"۔

"Hell... اتنی مشکل سے تو وہاں سے کال بک ہوئی تھی"۔

"کوئی بات نہیں"۔ وہ اداس سی مسکرا دی۔ "کوئی فرق نہیں پڑتا"۔

"کیوں طنز پہ طنز کر رہی ہو۔ میں بچہ ہوں جو نہیں سمجھتا"۔ وہ اچانک بھڑک اٹھا۔ "میں جلدی اسلیئے نہ آسکا کہ میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ ڈاکٹر آنیکی اجازت نہیں دے رہا تھا"۔ اسکا خیال تھا وہ اسکی دیر سے آمد پر خفا ہے۔

"میں نے کب کہا آپ دیر سے آئے ہیں"۔ دھنک کا لب ولہجہ اب بھی وہی تلخی لئے تھا۔

"تم نے نہیں کہا میں تو محسوس کرتا ہوں نا۔" اسکا لہجہ اب بھی تیز تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ ذہن پر بوجھ مت ڈالیں"۔

"دھنک۔ میں ___ مجھے ان ڈائریکٹ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ صاف صاف بتاؤ اگر میری دیری پر نہیں تو پھر کس بات پر خفا ہو"۔

"میں... مجھے بھی ایسا آدمی پسند نہیں جسے کوئی اور بھی پسند کرتا ہو"۔

"اوہ"۔ اسکا جیسے ذہن سے بوجھ اتر گیا۔ اور ساتھ ہی کہ وہ جان گئی تھی کہ فریدہ اس کیساتھ تھی۔

"وہ... لڑکی کون ہے؟"

وہ چپ رہا ___ خاموشی سے اسے تکتا رہا۔

"گرل فرینڈ ہے؟"

وہ اب بھی چپ تھا۔

"آپکو اچھی لگتی ہے؟"

اور وہ ___ اب بھی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اسکی خاموشی ان باتوں کی تصدیق نہیں تو اور کیا تھی؟

دھنک ہاتھ چھڑا کر اٹھنے لگی۔

مگر ___ فخر عالم کی گرفت مضبوط تھی۔ آہستہ سے اسکا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے تم اچھی لگتی ہو اور بس۔" پرکشش لب اسکے ماتھے پر رکھتے ہوئے وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "میری تم ہو صرف تم۔ اور کوئی نہیں ہے..."

فخر عالم کی مخصوص مہک دھنک کو اپنی سانسوں میں اترتی محسوس ہوئی۔ وہ پھر اپنی خفگی بھول رہی تھی۔ پھر اسے چاہنے پر مجبور ہو رہی تھی ___ کتنی بے بس تھی وہ فخر عالم کے سامنے۔

"یہاں کیا ہوا؟" وہ فخر عالم کے ماتھے پر لگے زخم کے اوپر چھوٹی سی چوکور پٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"شکر ہے تمہیں خیال تو آیا۔" پھر آستین اوپر کی۔ بازو پر لگے زخم اسے دکھائے۔

"یہاں بھی زخم آئے تھے۔ ٹانگوں پر بھی آئے تھے..."

"کس طرح ہوا ایکسیڈنٹ؟" وہ وہیں اسکے سینے سے لگی بیٹھی تھی۔

وہ جیسے کچھ سوچنے لگا۔ کچھ اکٹھا کرنے لگا۔ کڑیاں جوڑنے لگا۔

پھر ___ گہری سانس لی۔ پھر مسکرا دیا۔

"میری جیپ کی بریکس فیل ہوئی تھیں۔" اس نے اتنا ہی کہا۔

"مگر..." وہ پریشانی میں سیدھی ہو بیٹھی۔ "آپ پوری بات تو بتائیں۔"

وہ ہنسنے لگا ___ وہی مخصوص دل میں اترنے والی ہنسی۔

"میری گورنس کا خیال ہے بلکہ یقین ہے کہ یہ فریدہ نے فیل کروائی تھیں۔"

"فریدہ کون؟"

"وہی لڑکی۔ جو تمہیں اچھی نہیں لگتی"۔

"وہ کیوں کرتی ایسا؟" وہ تو فخر عالم کو بہت چاہتی تھی جیسے۔

"یہی تو میں کہتا ہوں۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

دھنک چپ سی ہو گئی۔

"ماما کا خیال ہے۔ میری جان کے پیچھے کوئی لگا ہوا ہے۔ پہلے میری ہی غلطی میں سمینہ کو مار ڈالا۔ سمینہ کا منگیتر میرا ماموں زاد ہے۔ میری Step Mother کا بھتیجا ہے۔ وہ جیل گیا تو اب فریدہ میری زندگی کے پیچھے لگ گئی ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔ ماما کہتی ہیں یہ سب ایک ہی سکیم کی کڑیاں ہیں۔ پہلے بابا کو زہر دیا گیا۔ اس وقت تو میں سوئٹزرلینڈ میں تھا۔ کچھ کہہ نہیں سکتا سچ تھا یا غلط۔ اب میری ٹھیک ٹھاک شکار پر تیار جانے کیلئے جیپ کی بریکس فیل کرا دی گئیں۔ میری عادت ہے سفر پر جانے سے پہلے میں گاڑی اچھی طرح چیک کرتا ہوں۔ اس وقت واقعی سب ٹھیک تھا۔ پھر لمحوں میں پتہ چلا بریکس فیل ہیں۔ تب میں چل پڑا تھا۔ گاڑی کسی طرح قابو نہیں آ رہی تھی۔ پہاڑی راستے کی چکردار سڑکیں، اترائی ___ مجبوراً گاڑی پہاڑ سے ٹکرانا پڑی۔ تبھی جا کے کہیں رکی۔ بس مرا نہیں۔ یہ دیکھو زندہ ہوں۔" وہ ہنسنے لگا۔

"وہ لڑکی آپ کیساتھ نہیں تھی؟" جبکہ وہ فخر عالم کو لمحہ بھر کو اکیلا نہیں چھوڑتی تھی۔

"یہ ایک پوائنٹ سٹرائیک کرنا ضرور ہے کہ پروگرام اسکا بھی ساتھ چلنے کا تھا۔ عین ٹائم پر طبیعت کی خرابی کا کہہ کر وہ نہیں گئی۔ بہرحال ماما کہتی ہیں کہ یہ سب اس خاندان کو ختم کرنے کی چالیں ہیں۔ پہلے بابا پھر میرے بدلے میں سمینہ ـــ اب پھر میرے پیچھے کوئی لگا ہے ہمہ... یہ پیسہ کیا چیز ہے۔ زندگی تک محفوظ نہیں رہتی۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں یہ سب چھوڑ چھاڑ کہیں نکل جاؤں۔ جہاں خلوص ہو، سچائی ہو، سچی محبت ہو ـــ بعض اوقات مجھے اپنا آپ بہت تنہا محسوس ہوتا ہے اکیلا ـــ ہوں نا اکیلا۔"

دھنک نے دیکھا اسکی خوبصورت آنکھوں میں اداسی اتر آئی تھی، دکھ در آیا تھا! اسکی اداسی، اسکا دکھ، دھنک کو اپنی روح میں اترتے محسوس ہوئے۔ اسکی زرین آنکھوں میں سرخ سنہری رنگ دھواں ہونے لگے۔ اور ـــ کنارے بھیگ بھیگ گئے۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

اور ـــ دو موتی لڑھک کر اس کے خوبصورت گالوں پر آ رہے۔

"تم ابھی سے رونے لگیں۔" افسردہ سی مسکراہٹ سے اس نے اپنی انگلیوں سے اسکے آنسو پونچھے "ابھی تو کئی امتحان اور ہیں۔ تم میرے ساتھ ہوگی تو ہر مشکل آسان ہو جائیگی۔ میرا ساتھ دو گی نا!"

"ہاں۔" اس نے اب بھی صرف سر ہی اثبات میں ہلایا۔ کہ زبان ساتھ نہ دے پا رہی تھی۔

"بس پھر سب ٹھیک ہو جائیگا۔ میں تمہیں خود کسی دن سب بتا دونگا... اور اب اٹھو شاباش۔ کوئی پلاؤ۔"

اور وہ انگلیوں کی پوروں سے آنکھیں خشک کرتی کچن کی طرف چل دی۔

سردی زوروں پر تھی ـــ دن گھٹ گئے تھے، راتیں طویل۔ ادھر دن نکلتا تھا ادھر شام اتر آتی تھی۔

سامنے کیاری میں کھلے نرگس بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ گل داؤدی اپنے جوبن پر تھی جبکہ ـــ کونے والے اونچے درخت سے لپٹی Morning Glory اکا دکا پھول لئے سردی کی شدت کے سامنے بے بس نظر آ رہی تھی۔

برآمدے سے اندر آ کر وہ جلدی جلدی آفس جانے کیلئے تیار ہونے لگی۔ آفس پہنچ کر اپنے ڈیسک پر بیٹھی ہی تھی کہ سامنے رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

آصف نے اٹھ کر ریسیو کیا۔

دھنک کی توجہ ادھر ہی لگی تھی۔ کہیں فخر عالم کا تو نہیں تھا؟ کہیں آصف نہ سمجھ جائے سب؟

"کوئی صاحب تمہیں پوچھ رہے ہیں۔" آصف نے ریسیور ایک طرف رکھتے ہوئے اسے کہا۔

وہ جلدی سے اٹھی۔ فخر عالم کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔

اسکا دھڑکتا دل سنبھل گیا۔ اب فخر عالم اتنا بھی بیوقوف نہیں تھا کہ رسالے کے دفتر میں اپنی شناخت کرواتا۔

اس نے ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو ـــ فخر عالم بول رہا ہوں۔"

"پتہ ہے"۔ وہ مسکرا دی۔

"ہاں نا ـــ بچارا میرا دل جو تمہارے پاس ہے دھڑک کر بتا دیا ہوگا کہ فخر عالم ہے بدلے

میں دل مانگ رہا ہے۔"

"وہ تو میں کبھی کا دے چکی آپکو۔"

"I am lucky then."

"اور کیسے ہیں آپ؟"

"فرسٹ کلاس۔بس تمہیں یہ بتانا تھا کہ میں گیارہ بجے روانہ ہو رہا ہوں سکیٹنگ کمپیٹیشن پر۔"

اور ــــ دھنک کا دھیان یکدم فریدہ کی طرف گیا۔

"اور کون جا رہا ہے ساتھ"۔

"کوئی نہیں۔تم ذہن پر بوجھ مت ڈالو۔اوکے چلتا ہوں۔ہاں"۔

"Take care." وہ کملا سی گئی تھی۔

ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔تھکے تھکے سے قدم اٹھاتی ڈیسک پر آ بیٹھی۔

کیا وہ اسی طرح فخر عالم کیساتھ اس لڑکی کو قبول کرتی رہے گی؟ کون تھی وہ؟ کیا لگتی تھی فخر عالم کی؟ادھر فخر عالم دھنک سے پیار کرتا تھا ادھر اس سے بھی مجبور تھا۔عجیب معمہ تھا۔

اور یہ پہلی بار تھی کہ اس نے فخر عالم سے قطع تعلق کا نہیں سوچا۔شاید اسے فخر عالم کی محبت کا یقین آ گیا تھا!شاید وہ جان گئی تھی کہ اس لڑکی سے اسکا جو بھی رشتہ تھا دھنک کے پیار سے زیادہ نہیں تھا؟مگر ــــ

یوں دن رات اکٹھے گزارنا؟

وہ کب تک سہے گی یہ آگ؟

دن آہستہ آہستہ سرک رہے تھے۔دس بارہ دن ہو چکے تھے فخر عالم کو گئے۔ابھی تک شاید وہ واپس نہیں آیا تھا۔اس نے بھی جاتے سے اس سے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کب لوٹے گا؟

آج وہ قدرے دیر سے دفتر پہنچی۔

"تمہارا فون تھا۔وہی صاحب لگ رہے تھے اس دن والے۔فرماتے تھے تھوڑی دیر

بعد پھر رنگ کرینگے۔" آصف ہر بات میں اسی طرح اسے چھیڑا کرتا تھا۔

"ہوں۔" کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے ڈیسک پر رکھی فائل کھول لی۔

"مس دھنک"۔

"جی"۔

"میری سکیم فیل ہو گئی۔" وہ مسکین سی شکل بناتے ہوئے بولا۔

"کون سی سکیم؟"

"وہی ــــ مسٹر فخر عالم کے متعلق پتہ کرنا کہ وہ کس لڑکی کو ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔"

"میں نے تمہیں کہا تھا خواہ مخواہ کسی کے پرائیویٹ معاملات میں دخل مت دو"۔

"مسٹر عالم کے معاملات پرائیویٹ کہاں ہیں۔پرنس کا پرنس ہے۔یہ دیکھو اخبار میں کیا لکھا ہے۔عام آدمی ہوتا تو یوں اس کے متعلق خبریں چھپتیں۔میرے تمہارے بارے میں کوئی کیوں نہیں لکھتا..." اس نے اخبار کی ایک خبر اسکے سامنے کی۔

سکیٹنگ کرتے ہوئے کسی نامعلوم شخص نے اسے دھکا دیا تھا۔جسکی وجہ سے وہ نیچے تک لڑھکتا ہوا چلا گیا تھا۔نامعلوم شخص سکیٹنگ ہی کے لباس میں بظاہر سکیٹنگ کر رہا تھا۔مگر پھر غائب ہو گیا۔وہ مقابلے میں حصہ لینے والوں میں سے نہیں تھا۔لگتا تھا باہر سے اسی مقصد سے آیا تھا کہ مسٹر عالم کو کسی طرح ختم کر دے۔مگر باوجود شدید زخمی ہونے کے انکی جان بچ گئی۔

معا فون کی گھنٹی بجی۔اور دھنک جلدی سے اٹھی۔ریسیو کیا۔

فخر عالم ہی تھا۔ہوسپٹل سے بول رہا تھا۔اسے آنے کو کہا تھا۔

"آصف میں جا رہی ہوں ذرا کام ہے۔کوئی پوچھے تو کہنا ہوسپٹل گئی ہے"۔وہ اپنا بیگ کندھے سے لٹکاتی ہوئی جانے لگی۔

"سنو۔" آصف سنجیدگی سے بولا۔

"کیا ہے؟"

"ان حضرت سے صاف صاف کہہ دینا میں تمہارا امیدوار ہوں۔خواہ مخواہ نمبر بنانے

کی کوشش نہ کریں"۔

اور ۔۔۔ دھنک نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے گہری سانس لی۔

مقامی ہوسپٹل میں وی وی آئی پی روم میں وہ روم نمبر ۲ میں ایڈمٹ تھا۔ دروازے پر دستک دیتے ہوئے اسے خیال آیا وہ لڑکی بھی وہاں ہو سکتی تھی۔

"یس۔" فخر عالم کی آواز آئی۔

"سفید خوبصورت پھولوں کی Bouquet لئے وہ اندر داخل ہوئی۔

کوئی نہیں تھا کمرے میں۔ بس فخر عالم تھا۔ کمزور چہرہ، نقاہت لئے آنکھیں۔

Bouquet اسکے ہاتھ سے لیکر فخر عالم نے اسے ہاتھ سے پکڑتے ہوئے اپنے قریب بیڈ پر بٹھالیا۔

"کب سے ایڈمٹ ہیں یہاں۔" دھنک کی خوبصورت آنکھوں میں قوس وقزح کے رنگ ڈولنے لگے۔ کنارے بھیگ گئے۔

"آج چوتھا دن ہے۔"

"اور مجھے آج بتایا۔"

"میں فون کرنے کے قابل نہیں تھا۔ پھر اتنے لوگ آتے رہے۔ میں نہیں چاہتا تھا تمہیں دیکھ کر کوئی غلط سوچے، سکینڈلز بنیں۔ یقین کرو تم ہر لمحہ دل میں رہیں۔ کل سوچا ماما سے کہوں تمہیں بتادیں۔ پھر سوچا پتہ نہیں کس طریقے سے بتادیں اور تم گھبرا جاؤ۔۔۔"

"اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ اسکے ماتھے اور ہاتھوں پر بندھی پٹیوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کیسے ہوا یہ حادثہ؟"

"معلوم نہیں۔" وہ جیسے کچھ سوچنے لگا۔ "مجھے کچھ پتہ نہیں چلا۔ بس اتنا یاد ہے کوئی سکیٹر میرے پاس سے گزرتے ہوئے اتنے زور سے مجھ سے ٹکرایا کہ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ لڑھکتا چلا گیا۔ پھر ۔۔۔ کوئی ہوش نہیں رہا۔ بعد میں ٹیم کے لوگوں نے بتایا کہ وہ

شخص لباس تو سکیٹر کا ہی پہنے تھا مگر ٹیم میں شامل نہیں تھا کوئی اجنبی تھا۔ اور اسکے فوراً بعد کہیں غائب ہو گیا۔" وہ دھیرے دھیرے بتا رہا تھا۔ "میں اتنے شوق سے گیا تھا۔ سکیٹنگ میں میری جان ہے۔ مگر چلو۔۔۔ رہنے دو۔ تم بتاؤ کیسی رہیں اتنے دن ہاں۔"

"ٹھیک۔ آپ بتا کر بھی نہیں گئے تھے کہ کب واپس آئینگے۔"

"سوری۔ مجھے واقعی خیال نہیں رہا تھا۔ تم ہی پوچھ لیتیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"سوری۔ مجھے واقعی خیال نہیں رہا تھا۔ آپ ہی بتا دیتے۔" وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔

"اس بوتل میں سے دو گولیاں دینا ذرا پلیز!" فخر عالم نے قریبی میز رکھی کئی دوائیوں میں ایک چھوٹی سی بوتل کی طرف اشارہ کیا۔

دھنک اٹھی۔ اس بوتل میں سے دو گولیاں نکال لیں۔ سفید رنگ کی چھوٹی چھوٹی گولیاں تھیں۔ پھر تھرمس میں سے گلاس میں پانی انڈیلا۔ اسکے پاس آئی۔ آہستگی سے اس کے سرہانے بیٹھتے ہوئے اسکے سر کو سہارا دیکر قدرے اوپر کیا اور گولیاں دیتے ہوئے پانی کا گلاس اسکے منہ سے لگا دیا۔

اسے یہ سب کرتے ہوئے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ جبکہ فخر عالم تھا کہ جیسے دونوں جہان کی خوشیاں اکٹھی مل گئی تھیں ساری۔

گولیاں لیکر اس نے اپنا سر وہیں دھنک کی گود میں رکھ دیا۔

"اسی طرح بیٹھی رہو دھنک پلیز!" وہ اسکا ہاتھ ہونٹوں سے لگائے تھا۔ "مجھے دنوں بعد سکون مل رہا ہے۔ یہیں رہو پلیز! کہیں مت جاؤ۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ۔۔۔"

دھنک آہستہ سے جھکی۔ ہولے سے اپنے ہونٹ اسکے پٹی لگے ماتھے پر رکھ دیئے۔ چپکے سے کچھ بھی بولے بغیر۔

"بولو ۔۔۔ رہو گی نا میرے پاس۔" وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ نشیلی نیم وا آنکھوں سے۔

وہ گڑبڑا سی گئی۔ پھر خود کو سنبھالا۔

"ایسا کوئی قانون میری نظروں سے نہیں گزرا جس کے تحت ایک لڑکی کسی لڑکے کیساتھ اکٹھی رہ سکے۔" اس نے اسے چھیڑا۔

"اگر ہم دونوں شادی کر لیں پھر تو رہ سکتے ہیں نا"۔

"آپ... تھوڑا سا پانی اور پی لیں۔ بہکنے لگے ہیں آپ"۔ اس نے قریب ہی رکھے تھرمس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

فخر عالم نے اسکا ہاتھ وہیں روک دیا۔ اس کی گود میں اب بھی سر رکھے تھا۔

"بس ایسے ہی بیٹھی رہو۔ ہلنا نہیں"۔

"اور... اور کہیں وہ لڑکی آ گئی تو؟" دھنک کو خدشہ ضرور تھا۔

"آ گئی تو آ گئی۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"کیا جواب دینگے اسے"۔

"کہہ دونگا میں اس سے شادی کرنیوالا ہوں۔"

"ہوں؟" وہ مسکرا دی۔

"ہاں۔ دیکھ لینا"۔ وہ دھنک کی طرف دیکھنے لگا۔ "تمہیں پتہ ہے ماما کا اب بھی وہی خیال ہے کہ جس آدمی نے مجھے دھکا دیا تھا وہ فریدہ کا ہی آدمی تھا"۔

"کیوں؟ اس سے فریدہ کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟"

فخر عالم نے ایک گہری سانس لی۔

"یہ باتیں اتنی زیادہ اور اتنی لمبی ہیں کہ... اور پھر میرے سر میں کچھ ہونے لگتا ہے یہ سب دہراتے ہوئے۔" اسکے پرکشش نقوش اب بھی سایوں کی زد میں آ گئے۔

"رہنے دیں۔ اور باتیں کرتے ہیں"۔

"ہاں پلیز!" اس نے جیسے نجات کی سانس لی۔

وہ کافی دیر وہاں فخر عالم کے پاس رہی اسکی دلجوئی کرتی رہی۔ تسلی دیتی رہی۔ اس دوران

وہاں کوئی وزیٹر نہیں آیا۔ پھولوں کے ان گنت گلدستے البتہ سامنے کی چوڑی کھڑکی میں لگے تھے۔ شاید اسکے آنے سے قبل اسے پوچھنے والے لوگ آئے تھے۔ یا شاید کل شام آنے والے لوگ لیکر آئے تھے۔

"اب چلوں۔" گو اسکا دل اسے اکیلا چھوڑنے کو نہیں کر رہا تھا۔

فخر عالم نے گھڑی دیکھی — بارہ بج چکے تھے۔ اس وقت کوئی نہ کوئی ضرور آتا تھا۔ ہیرا کھانا لیکر یا پھر ماما اپنا سپیشل سوپ لیکر۔

"ٹھیک ہے۔ ویسے آج شام مجھے ڈسچارج کر رہے ہیں۔ گھر جاؤں گا انشاءاللہ۔ وہاں آنا پھر"۔

"اوکے۔ ٹیک کیئر۔" وہ چلنے لگی۔

"بائے۔" وہ بولا۔

اور دھنک آہستہ سے دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گئی۔

دھنک اسے روز صبح ہی صبح آفس جانے سے پہلے دیکھنے جایا کرتی تھی اور ـــ فخر عالم کو جیسے زندگی بخش جاتی تھی۔

فخر عالم اب بھی دوائیں لے رہا تھا۔ اب پہلے سے خاصا بہتر تھا۔ گھر میں ادھر ادھر گھوم پھر بھی لیتا تھا۔ آفس یا پھر اپنی کسی فیکٹری وغیرہ پر البتہ ابھی تک نہیں گیا تھا۔

دن گزر رہے تھے۔ دھنک کیلئے دن خوبصورت اور راتیں حسین سپنے لیکر آتیں۔ گو دل میں اب بھی کانٹا سا چبھا رہتا تھا۔ خلش اسے بے قرار رکھتی۔ فریدہ کا اب بھی فخر عالم کے پاس آنا جانا تھا۔ باقاعدگی سے۔ اب تو دھنک نے اسکا ذکر تک چھوڑ دیا تھا فخر عالم کے سامنے۔ کہ نتیجہ کچھ نہ نکلتا تھا۔ یا تو وہ خاموشی سے اسے تکتا رہتا، سپاٹ چہرے سے، جذبات سے عاری نظروں سے یا پھر مبہم سی مسکراہٹ مدھری مسکان سے موضوع ہی بدل دیتا۔

کبھی اسکے متعلق کھل کر بات نہیں کی تھی۔ چپ سادھ رکھی تھی۔

آج وہ حسب سابق صبح صبح اسے دیکھنے گئی تو کچھ خاموش سی کھلبلی مچی تھی گھر میں۔

چپ چپ سا ہنگامہ بپا تھا، دبا دبا سا طوفان۔

فخر عالم کے بیڈ روم پر دستک دیکر وہ آہستہ سے اندر چلی آئی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

فخر عالم شاید باتھ روم یا پھر ڈریسنگ روم میں تھا۔

وہ کھڑکی کے پاس لگے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

تبھی نائیٹ سوٹ پر قیمتی گاؤن پہنے وہ ڈریسنگ روم سے بیڈ روم میں آ گیا۔

"گڈ مورننگ مَیم"۔ فخر عالم جیسے پریشان تھا۔ مگر بشاش بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ پاس آ کر اس کے مقابل والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہیلو"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

اور ـــ اتنے میں ماما طوفان بادوباراں کی طرح اندر داخل ہوئیں۔

"اے بیٹی۔ میرے بچے کو سنبھال۔ مار دے گی کسی دن وہ کمبخت لڑکی۔ ہاتھ ملتے رہ جائینگے ہم سب۔ پہلے جیپ کی بریکیں فیل کروائیں۔ پھر سوئی سکیٹنگ میں دھکا دیکر مارنا چاہا۔ اور یہ تھا کہ یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھا۔ اب دیکھو..." انہوں نے دوائی کی ایک چھوٹی سی شیشی اسے دکھائی۔ "رات میں فخر عالم بیٹے کے ڈریسنگ روم میں دھوبی سے آئے کپڑے الماری میں رکھ رہی تھی کہ یہ آن دھمکی۔ میں باہر نہیں آئی زہر لگتی ہے مجھے۔ بے حیاؤں کی طرح چومتی چاٹتی رہتی ہے میرے بچے کو۔ کافی دیر گزر گئی۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

میں نے آہستہ سے دروازے سے جھانک کر دیکھا کہ یہ چلی گئی ہو تو میں نکل آؤں مگر توبہ کرو ایک بار آ کر وہ جانے کا نام کب لیتی ہے۔ فخر عالم لیٹا تھا اسکی طرف پیٹھ تھی اور آنکھیں موندی ہوئیں۔ فریدہ کی طرف دیکھا تو جیسے اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ اسی شیشی کی اصلی گولیاں ہتھیلی پر نکال فٹ سے دوسرے ہاتھ میں پکڑی گولیاں بھر دیں۔ میں نے یہ شیشی اچھی طرح ذہن نشین کر لی۔ اور دھڑکتے دل سے پچھلے دروازے سے باتھ روم کے راستے باہر نکل گئی۔ ذہن اسی طرف لگا تھا۔

جوں ہی وہ گئی ـــ میں نے آ کر بوتل اپنے قبضے میں کر لی۔ فخر عالم اصلی دوا سر شام لے چکا تھا۔ اب اسکی ضرورت نہ تھی۔ میں اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ رات کو اسے کچھ نہ بتایا کہ پریشان ہوگا۔ صبح فخر عالم کو شیشی دکھائی، بات بتائی۔ تب سے حیران پریشان ہے۔ بہت مکار لڑکی ہے۔ گولیاں ہو بہو اسی طرح ہیں جیسے پہلے تھیں۔ چھوٹی چھوٹی سفید۔ فرق پتہ ہی نہیں چلتا۔ مگر بدلی تو میرے سامنے ہی ہیں۔ ڈاکٹر کو بلایا ہے۔ دکھاؤنگی... بیٹی میں بہت پریشان ہوں۔

پہلے ماں نہ رہی بڑے صاحب اور میں نے ہی پالا پوسا۔ پھر سوتیلی ماں آئی۔ سوتیلی ماں کا سلوک اسکے ساتھ بس دکھاوا ہی تھا۔ مگر یہ کونسا بار تھا اس پر۔ جلد ہی بڑے صاحب نے اسے

پڑھائی کیلئے باہر بھیج دیا تھا۔۔۔ اب تو جو ہوتا تھا چھوٹی بیگم صاحب، انکے بھائی اور بہن کی مرضی سے ہوتا تھا۔ سمینہ جوان ہوئی ہی تھی کہ چھوٹی بیگم صاحب نے اپنے بھتیجے سے اسکی منگنی کروادی۔ ساتھ ہی فخر عالم کا فون پر اپنی اس بھانجی فریدہ سے نکاح پڑھوا دیا۔ تا کہ دولت باہر جائے ہی نہیں۔ گھر میں کھچڑی پکتی رہتی تھی۔ انہی دنوں چھوٹی بیگم صاحب فوت ہوگئیں۔ مگر انکے بھائی بہن دندناتے پھرتے تھے گھر میں۔

پھر ایک دن اچانک بھلے چنگے بڑے صاحب انتقال کر گئے۔ نوردین ہمارے خانساماں کا کہنا ہے کہ انہیں زہر دیکر مارا گیا تھا۔ فخر عالم امتحان مکمل کر کے گھر لوٹا تو دوسرا حملہ اس پر ہوا۔ مگر جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ اسکی غلطی میں سمینہ بی بی چلی گئی۔

تمہیں پتہ ہے کبھی اسکی جیپ کی بریکیں فیل ہوئیں تو کبھی اسے سکیمنگ میں گرایا گیا۔ ان سب کا مطلب میرے بچے کو ختم کرنا تھا۔ مگر اسے میری بات کا یقین ہی نہ آتا تھا۔ چھوٹی بیگم صاحب بھتیجے کو بیٹی دیکر دولت جائیداد بھتیجے کو دینا چاہتی تھیں اور اسی طرح اس موٹی فریدہ کو فخر عالم سے باندھ کر باقی کی جائیداد بھی محفوظ کر لینا چاہتی تھیں۔

سمینہ بی بی کو تو اپنا ماموں زاد پسند تھا۔ خوش تھی منگنی سے مگر فخر عالم خوش نہیں تھا۔ اسے اس قماش کی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔ اس نے بارہا مجھ سے کہا چھوٹی امی نے مجھے کہاں پھنسا دیا ہے۔ فریدہ بہت تیز طرار لڑکی ہے۔ اسکے علاوہ اور لڑکوں کیساتھ بھی آزادی سے گھومتی پھرتی ہے۔ اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ اسے فخر عالم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسکے دشمنوں کو ختم کر کے مال ہتھیانا چاہتی ہے۔ اور شادی پھر اپنی مرضی سے کہیں اور کر لے گی۔ مگر دولت چھوڑنے کو دل نہیں کرتا۔ کچھ جائیداد اسکے حق مہر میں لکھی گئی باقی ویسے بطور منکوحہ مل جائیگی۔ کیونکہ فخر عالم کا اب اسکے سوا اور کوئی نزدیکی اور حقدار رشتہ دار نہیں۔۔۔"

ماما کہتی گئیں اور۔۔۔

دھنک کے چہرے کے رنگ بدلتے رہے۔

اس پر آج تمام انکشافات ہوگئے۔ فریدہ، فخر عالم کی کزن تھی، منکوحہ تھی۔ اسلئے وہ

خاموش تھا۔ اور وہ فخر عالم کی زندگی کی درپے تھی۔ وہ واقعی کتنا تنہا تھا۔۔۔ کتنا اکیلا!

اسے یاد آیا اسی بوتل سے اس نے دو سفید چھوٹی چھوٹی گولیاں ہوسپٹل میں فخر عالم کو کھلائی تھیں۔

اس نے بوتل ماما سے لی، کھولی۔ گولیاں واقعی اسی طرح تھیں۔ مگر۔۔۔ بدلی کیوں گئیں؟

"ماما۔۔۔ ہم دونوں کیلئے ناشتہ۔" فخر عالم کو اس موضوع سے جیسے تکلیف ہو رہی تھی۔

"ابھی بھجواتی ہوں میرا بیٹا۔" اور ماما چل دیں۔

دھنک نے نظریں اٹھا کر فخر عالم کو دیکھا۔ فخر عالم اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

پرکشش نقوش سایوں کی زد میں تھے۔ دلنشیں آنکھیں فکرمند اور مبہم سی مسکراہٹ پریشان تھی۔

دھنک بھی اپ سیٹ نظر آنے لگی۔

دونوں ہی خاموش تھے۔ جیسے کہنے سننے کو کوئی بات ہی نہ تھی۔

پھر ناشتہ آگیا۔

دھنک دھیرے دھیرے جوس پیتی رہی۔

اور فخر عالم اپنا گلاس بڑے بڑے گھونٹ لے کر ختم کر گیا۔

اب وہ سیب کھا رہا تھا۔ اور ساتھ ہی اپنے سامنے بیٹھی دھنک کو بغور دیکھ رہا تھا۔

اس وقت اسکے پرکشش نقوش سایوں کی زد میں نہیں تھے، دلنشیں آنکھیں فکرمند نہ رہی تھیں اور مبہم سی مسکراہٹ بھی پریشان نہ رہی تھی بلکہ۔۔۔

وہ تو اسے شوخ مسکراہٹ اور شریر نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دھنک کی نظریں اٹھیں۔ اس کی نظروں سے ملیں۔ اور۔۔۔

پلکیں گرنے اٹھنے لگیں۔

وہ واقعی کبھی کبھی اسکی نظروں کا سامنا نہ کر پاتی تھی۔

"کیا بات ہے"۔ وہ ہولے سے بولا۔

پڑھائی کیلئے باہر بھیج دیا تھا ــــ اب تو جو ہوتا تھا چھوٹی بیگم صاحب، انکے بھائی اور بہن کی مرضی سے ہوتا تھا۔ سمیعہ جوان ہوئی ہی تھی کہ چھوٹی بیگم صاحب نے اپنے بھتیجے سے اسکی منگنی کروادی۔ ساتھ ہی فخر عالم کا فون پر اپنی اس بھانجی فریدہ سے نکاح پڑھوادیا۔ تاکہ دولت باہر جائے ہی نہیں۔ گھر میں کھچڑی پکتی رہتی تھی۔ انہی دنوں چھوٹی بیگم صاحب فوت ہوگئیں۔ مگر انکے بھائی بہن دندناتے پھرتے تھے گھر میں۔

پھر ایک دن اچانک بھلے چنگے بڑے صاحب انتقال کر گئے۔ نوردین ہمارے خانساماں کا کہنا ہے کہ انہیں زہر دیکر مارا گیا تھا۔ فخر عالم امتحان مکمل کر کے گھر لوٹا تو دوسرا حملہ اس پر ہوا۔ مگر جیسا بوڑھے دیا کا لوگے۔ اسکی غلطی میں سمیعہ بی بی چلی گئی۔

تمہیں پتہ ہے کبھی اسکی جیپ کی بریکیں فیل ہوئیں تو کبھی اسے سکیٹنگ میں گرایا گیا۔

ان سب کا مطلب میرے بچے کو ختم کرنا تھا۔ مگر اسے میری بات کا یقین ہی نہ آتا تھا۔ چھوٹی بیگم صاحب بھتیجے کو بیٹی دیکر دولت جائیداد بھتیجے کو دینا چاہتی تھیں اور اسی طرح اس موئی فریدہ کو فخر عالم سے باندھ کر باقی کی جائیداد بھی محفوظ کر لینا چاہتی تھیں۔

سمیعہ بی بی کو تو اپنا ماموں زاد پسند تھا۔ خوش تھی منگنی سے مگر فخر عالم خوش نہیں تھا۔ اسے اس قماش کی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔ اس نے بارہا مجھ سے کہا چھوٹی امی نے مجھے کہاں پھنسا دیا ہے۔ فریدہ بہت تیز وطرار لڑکی ہے۔ اسکے علاوہ اور لڑکوں کیساتھ بھی آزادی سے گھومتی پھرتی ہے۔ اب مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ اسے فخر عالم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسکے دشمنوں کو ختم کرکے مال ہتھیانا چاہتی ہے۔ اور شادی پھر اپنی مرضی سے کہیں اور کرلے گی۔ مگر دولت چھوڑنے کو دل نہیں کرتا۔ کچھ جائیداد اسکے حق مہر میں لکھی گئی باقی ویسے بطور منکوحہ مل جائیگی۔ کیونکہ فخر عالم کا اب اسکے سوا اور کوئی نزدیکی اور حقدار رشتہ دار نہیں...“

ماما کہتی گئیں اور ــــ

دھنک کے چہرے کے رنگ بدلتے رہے۔

اس پر آج تمام انکشافات ہوگئے۔ فریدہ، فخر عالم کی کزن تھی، منکوحہ تھی۔ اسلئے وہ خاموش تھا۔ اور وہ فخر عالم کی زندگی کی درپے تھی۔ وہ واقعی کتنا تنہا تھا ــــ کتنا اکیلا!

اسے یاد آیا اسی بوتل سے اس نے دو سفید چھوٹی چھوٹی گولیاں ہوسپٹل میں فخر عالم کو کھلائی تھیں۔

اس نے بوتل ماما سے لی، کھولی۔ گولیاں واقعی اسی طرح تھیں۔ مگر ــــ بدلی کیوں گئیں؟

”ماما ــــ ہم دونوں کیلئے ناشتہ۔“ فخر عالم کو اس موضوع سے جیسے تکلیف ہورہی تھی۔

”ابھی بھجواتی ہوں میرا بیٹا۔“ اور ماما چل دیں۔

دھنک نے نظریں اٹھا کر فخر عالم کو دیکھا۔ فخر عالم اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

پرکشش نقوش سایوں کی زد میں تھے۔ دلنشیں آنکھیں فکرمند اور مبہم سی مسکراہٹ پریشان تھی۔

دھنک بھی اپ سیٹ نظر آنے لگی۔

دونوں ہی خاموش تھے۔ جیسے کہنے سننے کو کوئی بات ہی نہ تھی۔

پھر ناشتہ آگیا۔

دھنک دھیرے دھیرے جوس چکھتی رہی۔

اور فخر عالم اپنا گلاس بڑے بڑے گھونٹ لے کر ختم کر گیا۔

اب وہ سیٹ کھار ہا تھا۔ اور ساتھ ہی اپنے سامنے بیٹھی دھنک کو بغور دیکھ رہا تھا۔

اس وقت اسکے پرکشش نقوش سایوں کی زد میں نہیں تھے، دلنشیں آنکھیں فکرمند نہ رہی تھیں اور مبہم سی مسکراہٹ بھی پریشان نہ رہی تھی بلکہ ــــ

وہ تو اسے شوخ مسکراہٹ اور شریر نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دھنک کی نظریں اٹھیں۔ اس کی نظروں سے ملیں۔ اور ــــ

پلکیں گرنے اٹھنے لگیں۔

وہ واقعی کبھی کبھی اسکی نظروں کا سامنا نہ کرپاتی تھی۔

”کیا بات ہے“۔ وہ ہولے سے بولا۔

"کچھ نہیں"۔ اس نے اوپر دیکھا ہی نہیں۔

"تم شرماتی ہوئی اچھی لگتی ہو"۔

"میں نہیں شرماتی"۔ اور ساتھ ہی اسکا چہرہ کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو گیا۔

بڑے دنوں بعد فخر عالم کھل کر ہنس دیا۔

"اکثر تمہاری 'نا' میں 'ہاں' ہوتی ہے"۔ وہ ٹوسٹ پر شہد لگا رہا تھا۔

"آپ ناشتہ نہیں کرینگے؟"

"کر تو رہا ہوں"۔ اس نے چھری پلیٹ میں رکھ دی۔

وہ لاجواب ہو گئی۔

"تمہاری گرتی اٹھتی پلکیں مجھے سب بتا دیتی ہیں"۔ وہ پھر بولا۔

"کیا سب بتا دیتی ہیں"۔ وہ چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولی۔

"کہ تم کو ہم سے پیار ہے"۔

"آپکو نہیں ہے؟"

"اتنا کہ ـــ گھبرا جاؤ گی سنکر....."

اسکی سیاہ خمیدہ پلکیں ایک بار پھر جھک گئیں۔

"ویسے بعض وقت مجھے اپنے آپ پر حیرت ہوتی ہے مجھے پریس والے کبھی اچھے نہیں لگے۔ ایک رپورٹر کیسے اچھی لگنے لگی اور وہ بھی ایسی جو چھپ کر میرا تعاقب کر رہی تھی"۔

"مجھے بھی آپکے طبقے کے لوگ کبھی اچھے نہیں لگے۔ انکا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہوتا ہے"۔

"تمہیں میرے ظاہر اور باطن میں کوئی فرق نظر آیا"۔

"ہاں"۔

"کیا؟"

"یہی کہ پیار میں ایک دوسرے سے کچھ چھپایا نہیں جاتا اور پھر آپ نے آج تک مجھ سے اپنا نکاح چھپائے رکھا"۔

"صرف اسلئے کہ تم پریشان نہ ہو۔ اور پھر یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر تمہیں بتا دیا تو یہ نہ ہو کہ مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ۔ کیونکہ ایک شادی شدہ مرد میں تمہارے لئے کیا Attraction ہوتی؟"

وہ خوبصورتی سے ہنس دی۔

"آپ اوپر سے جتنے معصوم لگتے ہیں اتنے ہیں نہیں"۔ اس نے فخر عالم کو چھیڑا۔

"کیا مطلب؟"

"یہی کہ ـــ اگر میرے کانوں میں بھنک بھی پڑ جاتی آپکے شادی شدہ ہونے کی تو میں آپکے راستے میں ہرگز نہ آتی۔ کبھی بھی نہیں۔ اول تو اسلئے کہ میرا پیار اتنا خودغرض نہیں۔ دوسرے یہ کہ مجھے دوسرے کا جھوٹا کبھی اچھا نہیں لگتا..."

"ہوں؟"

"ہاں"۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"آجکل وہ بڑا زور دے رہی ہے رخصتی پر"۔

"تو کر لیں"۔

"کر لوں"۔ وہ بغور اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ جہاں سایہ سا لہرا گیا تھا۔ دھندی چھا گئی تھی۔

"ہاں"۔

"کر لوں؟"

"ہاں"۔ اور ساتھ ہی آنکھوں میں چھائی دھند نم ہو گئی۔

فخر عالم نے گہری سانس لی۔ پھر مسکرا دیا۔

اب ایسا ممکن نہیں ہے۔ دیکھ بھال کر میں کیسے ایک دشمن کو گھر لا سکتا ہوں"۔

"اگر آپکو ان گوٹیوں کی تبدیلی کا پتہ نہ چلتا تو آپ کر لیتے رخصتی"۔

وہ تو کافی عرصے سے اسکے پیار کا دعویٰ کرتا تھا۔

"آں ـــ نہیں۔اول تو اسلئے کہ وہ بہت ایڈوانس، الٹرا ایڈوانس ہے۔اور مجھے عورت کی بے جا آزادی بالکل پسند نہیں۔دوسرے یہ کہ میری شروع دن سے اس سے...وہ بات نہیں بنی۔which is called love. I tried so but شاید محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔پھر تمہیں دیکھا۔باوجود تم پرغصہ ہونے کے تمہاری طرف کھنچتا چلا گیا۔تو سمجھا یہی پیار ہے۔پھر جیسے زندگی کو مرکز سا مل گیا۔مگر ـــ اسکے باوجود میری خوشیاں ادھوری ادھوری سی تھیں۔اس طرف فریدہ مائے وائف۔اس طرف تم میری محبت۔کس کو چھوڑوں کس کو لوں؟ سارا وقت کشمکش و بیچ میں رہتا تھا۔وہ میری ہی جان کے درپے ہوگی یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا..." اپنے کپ سے چائے پیتا وہ دھیمے لہجے میں کہتا گیا۔

تبھی ملازم نے فخر عالم کے فیملی ڈاکٹر کے پہنچ جانے کی اطلاع دی۔

دھنک چائے پی چکی تھی۔آفس کو دیر ہو رہی تھی۔اس نے اجازت چاہی۔

اور ـــ ڈاکٹر ملازم کی ہمراہی میں اندر داخل ہو گیا۔

ڈاکٹر نے گولیوں کی بوتل اپنے قبضے میں لے لی۔تاکہ مکمل جانچ کی جائے۔گولیاں بہرحال وہ نہیں تھیں جو فخر عالم کو ہدایت کی گئی تھیں۔بوتل پر دوائی کا نام کچھ اور تھا اور گولیاں کچھ اور۔ صحیح فیصلہ تو اس وقت دیا جاتا جب لیبارٹری میں گولیاں ٹسٹ کی جاتیں لیکن ـــ

یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ فخر عالم کی زندگی کو اصل گولیوں کی بجائے یہ گولیاں کھلا کر نقصان پہنچانا بہرحال مقصود تھا!

ڈاکٹر بھی خاصا پریشان لگ رہا تھا۔فخر عالم کیساتھ چائے کا ایک کپ پی کر وہ بھی رخصت ہو گیا۔

فخر عالم اٹھا۔کپڑے تبدیل کئے۔تیار ہوا اور باہر لان میں آ گیا۔

تھوڑی دیر وہ یوں ہی بلا مقصد سائیڈ واکس پر چلتا رہا۔بھینی بھینی خوشبو بکھیرتے موسمی پھول بہت دلکش لگ رہے تھے۔کوبالٹ بلو شفاف آسمان پر تیرتا سفید بادل کا ایک آوارہ ٹکڑا بہت بھلا لگ رہا تھا۔گلابی جاڑے کی نرم و گداز دھوپ جسموں کو حرارت بخش رہی تھی۔

وہ بھی لان میں ایک چیئر پر بیٹھ گیا۔مگر ـــ
اب بھی تانوں بانوں میں الجھا تھا۔ادھیڑبن میں مصروف تھا۔

آفس کی ہماہمی میں دھنک نے صبح تک کی ہر بات پس پشت ڈال دی۔آج خاصا کام تھا دفتر میں۔اور اسے کچھ دن سے دی ہوئی اسائنمنٹ کی تکمیل پر چیف رپورٹر نے خاص طور سے زور دیا تھا۔آج اسے بہر حال مکمل ہو جانا چاہیے تھا۔اسی میں لگی رہی سارا وقت۔آخر دوپہر تک کام ہو ہی گیا۔ایک نظر ثانی ڈال کر اس نے اسائنمنٹ چیف رپورٹر کے حوالے کی۔

اور ـــ گھر چلی آئی۔

کھانا کھا کر جو بستر میں آرام کرنے کی غرض سے لیٹی۔تو ذہن فخر عالم کی طرف پلٹا۔فخر عالم کے ذاتی مسائل کی طرف منتقل ہوا اور ـــ

وہ تھک سی گئی۔نڈھال۔اور پھر جیسے قدم لڑکھڑانے لگے۔

فخر عالم کو پانا ـــ بہت بڑا آزر تھا۔سننے میں بڑا دلکش، دیکھنے میں بہت خوبصورت پر ـــ عملاً بہت مشکل، بلکہ ناممکن سا لگ رہا تھا۔

فخر عالم کا نکاح ہو چکا تھا۔اسکی منکوحہ بسا اوقات اسکے پاس آتی جاتی قیام کرتی۔رخصتی کا کیا تھا، محض ایک دکھاوا؟اب کیا فخر عالم اس سے چھٹکارا حاصل کرتا؟اور فخر عالم فریدہ کیوں اسے چھوڑتی؟پھر کیا کورٹ کچہریاں؟نہیں ـــ

دھنک کو یہ سب بے حد مشکل لگا۔اور پھر فخر عالم کا فریدہ سے نفرت کرنے میں کچھ ہاتھ دھنک کا بھی تھا۔فخر عالم اس سے نہ ملتا تو شاید وہ فریدہ کو چھوڑنے کا بھی نہ سوچتا۔اسے اور بھی برا لگا۔اپنا آپ مجرم سا لگنے لگا۔

وہ ـــ الجھ الجھ گئی۔جیسے اچانک اس کے اردگرد جال بن دیئے گئے تھے۔اور وہ ان میں پھنس کر رہ گئی تھی۔جیسے یکدم ہی کہیں بھول بھلیوں میں کھو کر اپنا راستہ بھول گئی تھی۔

اسے اچانک ہی یہ سب نیند کا ایک جھونکا لگا۔جیسے فخر عالم کوئی خواب تھا، سپنا تھا اور وہ جاگ گئی تھی ـــ خواب بکھر گئے تھے اور سپنے ٹوٹ گئے تھے!

وہ شادی شدہ تھا۔اس کے گھریلو مسائل بہت پیچیدہ تھے، تنازعے بہت الجھے ہوئے!

اسے ان پیچیدگیوں میں نہیں پڑنا چاہیے تھا۔ان معاملات سے دور رہنا چاہیے تھا ـــ کوئی بھی خیر خواہ اسے یہی مشورہ دیتا۔

وہ اس دن کو کوسنے لگی جس دن وہ اسکا انٹرویو لینے گھر سے نکلی تھی۔انکل اشفاق کے منع کرنے کے باوجود آصف کی مرضی کے خلاف!

اور پھر ـــ اچانک اسکا دل چاہا یہاں سے دور چلی جائے۔سب چھوڑ چھاڑ کر، سارے بندھن توڑ کر!

کہ اسکا سر پھٹا جا رہا تھا۔وجود نڈھال ہو رہا تھا۔

پھر یکدم ہی اسے خیال آیا۔

کیوں نہ انکل اشفاق سے کہہ کر لمبی چھٹی لے لے؟گھر جا کر اپنے والدین اور بہنوں میں اطمینان سے چند دن رہے۔اپنے تھکے ذہن کو سکون مہیا کرے!

واقعی ـــ یہی ٹھیک تھا۔نہ فخر عالم ہوتا، نہ اسکا شہر، نہ اس سے مڈبھیڑ کا خدشہ!

اور پھر ـــ اچانک ہی اسے لمبے لمبے فاصلے نظر آئے اپنے اور فخر عالم کے درمیان۔ناقابل عبور دوریاں در آتی نظر آئیں اپنے اور اسکے بیچ!

گھر میں کچھ تو سکون میسر آتا!

یہی سوچ کر وہ ـــ اٹھ کر کچن میں چلی گئی شام کی چائے بنانے۔فرزانہ سو رہی تھی۔آج وہ ہی چائے بنا کر اسے پلاتی تو اچھا تھا۔

اسکے سر پر کا گراں بار بھی کچھ کم ہونے لگا۔لڑکھڑاتا وجود اپنے بس میں آنے لگا۔

چائے بناتے بناتے اس نے فیصلہ پختہ کر لیا۔

فرزانہ کیساتھ چائے پیتے ہوئے وہ خاصا ہلکا محسوس کر رہی تھی۔

دنوں بعد وہ فرزانہ کیساتھ ڈاکٹر ماریا کے فلیٹ میں گئی۔ دیر تک تینوں گپ شپ کرتی رہیں۔ وہاں سے نکلیں تو دونوں ڈنر کیلئے قریبی ریسٹورنٹ میں گئیں۔ سوپ پیا، برگر کھائے ـــ اس وقت وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

رات سونے کیلئے بستر پر لیٹی تو فوراً نیند آ گئی۔ فخر عالم کے باپ کو زہر دیکر مارا گیا تھا، سمینہ کو قتل کیا گیا تھا، فخر عالم نے رات سوتے وقت وہی گولیاں کھالی تھیں اور صبح بستر میں مرا ہوا پایا گیا۔ تینوں کی لاشیں ایک کمرے میں ایک ہی قطار میں رکھی تھیں۔

خوف کے مارے وہ پسینے میں تربتر تھی اور فخر عالم کو دیکھ کر بہائے آنسوؤں سے تکیہ اب بھی گیلا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھی ـــ کتنا بھیانک خواب دیکھا تھا اس نے!

اٹھ کر وہ باتھ روم گئی۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ اور اپنے لئے سکون کی دعا مانگی۔ چھٹی کا ارادہ پختہ کیا۔ گھر جانے کا فیصلہ پکا کر لیا۔

سکون و اطمینان اُسے امی ابو بہنوں اور گھر کے ماحول میں ہی مل سکتے تھے۔ ایک پل کو فخر عالم کا بھی خیال آیا۔ ایسے مشکل وقت میں وہ اسے چھوڑ کر جا رہی تھی، اسے اپنا آپ خود غرض بھی لگا مگر ـــ

یہ سب بھی تو اسکی برداشت سے باہر تھا۔

وہ سامنا نہیں کر سکتی تھی اتنے سارے مسائل کا!

اسکا نکاح نہ ہوا ہوتا تب بات اور تھی۔ تب وہ کسی بھی مشکل کا مقابلہ کر سکتی تھی۔

مگر اب ـــ اسے اپنا آپ خود غرض بھی لگتا تھا۔ کسی اور لڑکی کی ملکیت کا انتظار کرنا کہ کب وہ فارغ ہو اور اپنائے اسے۔

اسکی قسمت کہیں اور لکھی ہوگی۔ پہنچ جائے گی خود بخود وہاں ورنہ ـــ شادی کو اس نے بھی اتنا اہم تصور ہی نہیں کیا تھا۔ اسے اپنے پروفیشن سے ہر چیز سے زیادہ محبت تھی۔

آج ہی اس نے چھٹی کی درخواست دی۔ اور دوپہر دو بجے کھانا کھاتے ہی فرزانہ کو الوداع کہتی گھر جانے کیلئے بس میں بیٹھ کر روانہ ہوئی۔

فخر عالم ہر صبح اسکا انتظار کرتا۔ عادت جو ڈال دی تھی دھنک نے۔ تیسرے دن مجبوراً اس نے اسکے آفس فون کیا۔ پتہ چلا چھٹی پر گئی تھی۔ اور وہ بھی مہینہ بھر کی۔

اسے سخت حیرانگی ہوئی۔ اچانک اسے چھٹی کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی اور اگر اتنی ایمرجنسی تھی بھی تو اسے کسی طریقے سے بتا کر یا پیغام چھوڑ کر تو جا سکتی تھی۔

دن گزرنے لگے۔ فخر عالم آجکل ویسے بھی بہت مصروف تھا۔ ساتھ میں پریشان بھی۔ بزنس کا بھاری بھرکم بوجھ اوپر سے فریدہ کی جھک جھک ـــ بحث مباحثے!

ایسے میں اسے دھنک کی ضرورت محسوس ہوتی، اسکی تسلی کی مگر ـــ

وہ تو اسے عین منجدھار میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ وہ ڈائری جس میں اسکا پتہ درج تھا وہ بھی کہیں مل نہیں رہی تھی۔

آج اس سے مزید صبر نہ ہو سکا۔ اسکے آفس فون کیا۔ خوش قسمتی سے آصف نے ریسیو کیا اور اس سے وہ بڑی آسانی سے دھنک کے گھر کا ایڈریس اور فون نمبر لینے میں کامیاب ہو گیا۔

خط لکھنے کا تو وہ شروع سے ہی چور تھا۔ فون کر دیا اس نے۔

"کچھ بتائے بغیر ہی چلی گئیں کیوں؟" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"میں نے ضروری نہیں سمجھا"۔ وہ روکھے سے لہجے میں بولی۔

اور ـــ فخر عالم چند سیکنڈز ریسیور کو دیکھتا رہ گیا۔

"تم نے یہ نہیں سوچا کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہونگا"۔

"آپ میرا انتظار کرنا چھوڑ دیں۔" وہ بے حسی سے بولی۔

"کیوں؟" وہ بے حد حیرت سے بولا۔

"آئندہ فون مت کریں"۔ ساتھ ہی سلسلہ منقطع کر دیا کہ ___

وہ سختی نہ برتتی تو وہ گھر تک آ سکتا تھا اور ___ کس دل سے اس نے اتنی سختی برتی تھی اسے ہی معلوم تھا۔

فخر عالم کو پہلے تو یقین نہیں آیا۔ مگر۔ ذہن کچھ سوچنے کے قابل ہوا تو غصہ آ گیا ___ اتنا کہ وہ سامنے اسے ہوتی تو اُسے جھنجھوڑ ڈالتا۔

اسکے بعد ___ وہ پھر سے اپنی مصروفیات میں جت گیا۔ وہ فارغ تھوڑی ہوتا تھا۔ کہ اس کے پیچھے مارا مارا پھرتا ___ یہ تو اسکی دھنک سے بے پناہ محبت تھی جو وہ اس کیلئے روزانہ اور ضرور وقت نکالتا۔ بہر حال ___

وہ پریشان ضرور تھا۔ اس بے رخی کی وجہ اسکی سمجھ سے باہر تھی۔

دو چار روز اور بھی خاموش رہا۔ اپنے اوپر قابو پائے رکھا لیکن ___

آج پھر ___ جیسے پیار نے دل پر دستک دی۔

اس نے اسے خط لکھ ڈالا۔ وجہ پوچھی، اپنی بے قراری لکھی اور جواب کا منتظر رہا۔ لیکن ___

اس طرف سے ہفتہ دس دن گزر جانے کے بعد بھی جواب نہ آیا۔ اسکا مطلب تھا وہ اسے جواب کے قابل بھی نہیں سمجھتی تھی۔ تب وہ ___ جھنجھلا اٹھا!

اپ سیٹ رہنے لگا۔ بات بے بات نوکروں پر برس پڑتا۔ بلا وجہ آفس میں ڈانٹ ڈپٹ کرتا۔

دھنک کا بھی کچھ یہی حال تھا۔ چڑچڑی رہنے لگی۔ بات بات پر بگڑ جاتی، بے اختیار رونے لگتی۔

فخر عالم کو بھول جانا کتنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بے بس ہونے لگتی، بے قابو ہو جاتی۔ اکیلے میں اکثر رو پڑتی۔ اسی طرح ہی کچھ دل کی بھڑاس نکل جاتی۔

کچھ روز اور گزر گئے۔ بڑی مشکل سے دل کو سمجھایا تھا، اپنے پیار کو تھپک تھپک کر سلایا تھا۔

اسکا بجھا بجھا چہرہ، شربتی آنکھوں میں اتری ویرانیاں ___ اسکے دکھ اور درد کی غماز تھیں۔

امی نے اکثر پوچھا بھی مگر وہ ٹال گئی۔ کیا کہتی؟

آج تو اداسی حد سے بڑھ گئی تھی، دکھ بے پایاں اور درد سوا ہو چلا تھا۔ جانے کیوں صبح ہی سے رونا رونا آ رہا تھا۔

تسلیم اور نیلم کالج گئی تھیں، امی پڑوس میں۔ وہ اکیلی بیرونی لان میں دھوپ میں چیئر پر بیٹھی سڈنی شیلڈن کی 'Blood Line' کے اوراق پلٹ رہی تھی۔

درختوں کی لچکیلی شاخوں پر نئی کونپلیں پھوٹ آئی تھیں۔ 'Kiss Me Quick' کے کانٹے دار شاخوں میں ننھے ننھے ہرے ہرے پتے نکل آئے تھے اور ___ اسکے بیڈ روم کی کھڑکی کے قریب لگی رات کی رانی پھولوں سے لدگئی تھی۔

تبھی گیٹ پر کی کال بیل بج اٹھی۔

رخ موڑتے ہوئے اس نے دیکھا۔

فریدہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہی ٹھاٹ باٹ، وہی طمطراق لئے!

متحیر سی کتاب بند کرتے ہوئے وہ پاس چلی آئی کہ ___ آخر تو وہ اسکے گھر آئی تھی!

"ہیلو"۔ دھنک ہولے سے بولی۔

"ہیلو"۔ وہ جیسے کاٹ کھانے کو تھی۔

دھنک دھیرے سے مسکرا دی۔

"آیئے بیٹھیے"۔ دھنک نے لان میں رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"میں بیٹھنے نہیں آئی"۔ وہ تیزی سے بولی۔

"پلیز! اتنی دور سے چل کر آئی ہیں..." وہ اپنا فرض نبھا رہی تھی۔

"میں چل کر نہیں آئی گاڑی میں آئی ہوں"۔

"اوہ۔ پھر بھی بیٹھیے تو سہی"۔ اس نے اپنی مسکراہٹ دبالی۔

"بھولی مت بنو سمجھیں"۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے غصے سے بولی۔

"میں آپکا مطلب نہیں سمجھی"۔ وہ بھی سنجیدہ ہوگئی۔

"سمجھنے کی ضرورت نہیں۔فخر عالم سے آج ہی دستبردار ہو جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا"۔

وہ دھیرے سے ہنس دی۔

"تمہارے ساتھ اسکے نکاح کا سنتے ہی میں نے اسے خیر باد کہہ دیا ہے۔ مجھے بھی دوسرے کے حصے بخرے پر قبضہ کرنا اچھا نہیں لگتا"۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو"۔اسکا میک اپ سے لتا پتا چہرہ مزید تمتما اٹھا۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں اور نا ہی میں تمہارے غصے سے مرعوب ہوں"۔

دھنک کے لہجے میں بھی تیزی آگئی۔

"تم ہمارے درمیان نہ آتیں تو کبھی کی ہماری شادی ہو چکی ہوتی"۔غصے سے اسکی سانس تیز چل رہی تھی۔"تم اسکی دولت کے پیچھے ہو"۔وہ مزید بولی۔

اور ــــ دھنک سے اپنی توہین برداشت نہ ہوسکی۔

آگے بڑھ کر گیٹ کا پٹ وا کر دیا۔

"یہ راستہ باہر کو جاتا ہے۔جن قدموں سے آئی ہو انہیں سے لوٹ جاؤ"۔

ایک پل کو فریدہ جیسے سکتے میں آگئی۔اس سے قبل شاید اس نے ایسے الفاظ نہیں سنے تھے۔لیکن ــــ

دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھالا۔

"چلتی ہوں۔لیکن اچھی طرح سن لو جلدی ہماری شادی ہونیوالی ہے۔اسلئے آئندہ تمہیں اسکے ساتھ کوئی رابطہ رکھتے دیکھا تو ٹھیک نہیں ہوگا"۔دھمکی آمیز لہجے میں کہتے کہتے وہ باہر نکل گئی۔

دھنک نے گیٹ بند کیا۔اور تھکی تھکائی سی آکر آرم چیئر پر ڈھیر ہوگئی۔

"جلد ہی ہماری شادی ہونیوالی ہے"۔پگھلے سیسے کی طرح یہ فقرہ اسکے کانوں میں رینگنے لگا تھا۔

شاید دھنک کے آجانے کے بعد دونوں کے حالات سلجھ گئے تھے۔شاید وہ دوائی زہریلی نہیں نکلی تھی اور دھنک سے مایوس ہو جانے کے بعد کہہ سن کر دونوں رخصتی پر آمادہ ہو گئے تھے ــ ماؤف ذہن لئے وہ کرسی پر پڑی رہی۔

اور ــــ آج ہی شام ایک بار پھر فخر عالم کا فون آگیا۔

"مجھے صاف صاف بتادو تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

اوہ ــــ تو وہ بھی آخری فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

"کچھ بھی نہیں"۔وہ مختصراً بولی۔

"مجھ سے تعلق نہیں رکھنا چاہتیں؟"

رخصتی سے پہلے جیسے وہ آخری اور رسمی باتیں کر رہا تھا۔جیسے کہہ رہا تھا بعد میں مجھے الزام مت دینا۔

"یہی سمجھ لیں"۔

"کوئی خاص بات ہوئی ہے؟"

"نہیں"

"پھر؟"

"بس ــــ دل نہیں چاہتا"۔

"اوہ"۔ساتھ ہی ریسیور کریڈل پر رکھنے کی آواز آئی۔

کمرے میں آکر بستر میں گھس کر وہ دیر تک چپکے چپکے روتی رہی۔

کاش!وہ اس سے کبھی نہ ملی ہوتی۔کاش اسے اس کی شادی کا پتہ ہی نہ چلتا اور کاش!وہ آج آخری اور رسمی باتیں نہ کرتا!

پورے ایک مہینے بعد آج وہ میگزین کے آفس آئی تھی۔ بقول آصف بالکل بدلی ہوئی تھی۔ جیسے وہ دھنک کہیں کھو گئی تھی، گم ہو گئی تھی۔ یہ دھنک اور تھی، مختلف تھی بالکل۔

''اور ہاں سنو۔ سنا ہے تمہارے اس دشمن نے اپنی کزن سے شادی کر لی ہے''۔

اور — دھنک جیسے منوں وزن تلے دھنستی چلی گئی۔

''کب؟'' وہ بولی۔ کہ وہ نہیں چاہتی تھی آصف کچھ سمجھ جائے۔

''کچھ دن ہوئے سجاد بتا رہا تھا۔'' سجاد بھی ان کا کولیگ تھا۔ ''بلکہ مجھے تو تب اس نے بتایا تھا جب مسٹر فخر عالم سکیٹنگ پر گیا تھا۔ میں تمہیں بتانے لگا تھا کہ میری سکیم فیل ہو گئی وہ لڑکی مسٹر عالم کی کزن نکلی۔ مگر پھر تمہارا فون آ گیا اور میں بات بھول بھال گیا۔ ہاں تو سجاد کہتا تھا اس نے اپنی کزن سے سنا ہے۔ سجاد کی کزن اور مسٹر عالم کی کزن کی آپس میں کچھ جان پہچان ہے۔ مسٹر عالم کی کزن کا نام فریدہ ہے۔ اسی نے اسے بتایا ہے کہ ان دونوں کی شادی ہونے والی ہے — بہرحال اب تک ہو چکی ہو گی اس بات کو کچھ دن ہو گئے ہیں...''

تو — فریدہ سچ کہہ رہی تھی۔

اور... اور... فخر عالم نے بھی جیسے آخری اور رسمی سی گفتگو کر کے اپنا فرض پورا کر لیا تھا۔

دھنک اپنے آپکو سنبھالنے لگی۔ چہرے پر رونق لانے کی کوشش کرنے لگی۔

''تمہارے پاس ان خبروں کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے؟'' وہ بمشکل مسکرائی۔

''اور یہ کہ۔'' وہ ان سنی کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''مسٹر عالم کی کزن کہتی تھی کہ ان دونوں کے درمیان ایک لڑکی آ گئی تھی مگر اب وہ درمیان میں سے نکل گئی ہے۔ اب راستہ صاف ہے اور وہ دونوں شادی کرنے والے ہیں''۔

''کوئی نئی خبر سناؤ یہ تو پرانی ہو چکی ہو گی''۔ وہ بڑے ضبط سے بولی۔

''نئی خبر؟''

''ہاں''۔

''اچھا سوچتا ہوں — ہاں''۔ وہ بے اختیار ہنس دیا۔ ''وہ جو ہم گداگروں پر آرٹیکل لکھ رہے تھے نا... دو چار روز پہلے میں بازار میں سے گزر رہا تھا کہ کسی نے اچانک کمر میں زور سے بیساکھی ماری۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہی ادھیڑ عمر فقیر تھا جو انٹرویو کے دوران بھی بہت بڑھ بڑھ کر بولتا تھا۔ کہنے لگا کہیں اکیلے ملو گے یا نہیں سیدھا کر دونگا...''

آصف کیساتھ ساتھ دھنک بھی ہنس دی۔

''اسی طرح ہنستی رہا کرو۔ کیا منہ لٹکائے بیٹھی تھیں صبح سے''۔

وہ پھر ہنس دی۔

''ویسے آصف تمہیں واقعی احتیاط کرنا چاہیے۔ ان سے کچھ بعید نہیں''۔

''ایسی کی تیسی کر دونگا ہونہہ۔ ویسے مادام جرنسلٹ! ایک جرنلسٹ کو مضبوط اور مستحکم ہونا چاہیے۔ لہجے میں مضبوطی اور استحکام ہونا چاہیے۔ بلکہ بعض اوقات ضرورت پڑنے پر کرخت ہونا چاہیے۔ کیا تمہارا خیال ہے لوگ ہمیں ڈرائیں دھمکائیں اور ہم مرعوب ہو جائیں۔ سچ لکھنا چھوڑ دیں۔ جھوٹ، لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کی نشاندہی کرنا چھوڑ دیں۔ رشوت لینا شروع کر دیں ضمیر بیچ دیں اپنا۔ میں تو...''

''بس بس دم لیں ذرا مسٹر آصف''۔ وہ دل ہی دل میں اسکی معترف ہو رہی تھی۔

''میں تو چاہے جان جائے سچ لکھونگا۔ جھوٹ کو بے نقاب کرونگا...''

''بھئی میں تو اس گداگر کی بات کر رہی تھی''۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہنسی آ گئی۔ ''جو تم پر بات بات پر طنز کر رہا تھا۔ تمہیں اپنے ساتھ بھیک مانگنے کی بھی دعوت دی تھی...''

''اسی نے تو اس دن بیساکھی ماری تھی''۔ وہ بھی ہنس دیا۔

''تنکے کو کمزور مت سمجھو آنکھ میں پڑ جائیگا''۔

"واہ۔ واہ مکرر ارشاد"۔

"سچ لکھو، مضبوط رہو۔ مگر احتیاط برتنے میں کیا حرج ہے"۔

"تم نے احتیاط برتی تھی؟ ایک قاتل کی تلاش میں یوں بے دھڑک اکیلی چل پڑی تھیں جیسے... پاکستانی نہیں کوئی ویسٹرن رپورٹر ہو۔ اور..."

اچھا خدا حافظ۔ اور میں انکل اشفاق کے پاس جا رہی ہوں"۔ وہ اس بحث تک سے گھبرانے لگی تھی۔ اٹھ کر چیف ایڈیٹر کے دفتر کی طرف چل دی۔

گھر آ کر وہ اوندھی بستر پر پڑ رہی۔

فخر عالم اس سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جدا ہو گیا تھا۔ دونوں کے راستے بالکل مخالف سمت نکل گئے تھے۔

آنسوؤں کے درمیان وہ سوچتی رہی ـــ کہیں اس کی طرف سے تو کوئی جھول نہیں رہ گیا تھا؟ پھر سوچتی اس نے تو اپنی طرف سے اچھا کیا تھا۔ فریدہ جیسی بھی تھی، تھی تو عورت ہی۔ اسکا حق وہ کیسی مارتی؟ ایک نکاح شدہ جوڑے کے درمیان وہ کیونکر آتی؟ اسکا ضمیر بھی تو گوارا نہیں کر رہا تھا۔ پھر ـــ فخر عالم کے گھریلو حالات اس قدر الجھے ہوئے تھے، اس قدر پیچیدہ تھے کہ وہ گھبرا اٹھی تھی۔ نہیں ڈالنا چاہتی تھی ہاتھ ایسے معاملات میں۔ اور پھر ـــ یہ بھی تو تھا کہ لوگ سمجھتے وہ اسکے دولت کے پیچھے تھی۔ یہی سب مل کر اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر رہے تھے۔

ہاں ایک پوائنٹ پر آ کر وہ خود کو ملامت سا محسوس کرتی کہ ایک ایسے لمحے میں وہ اسے چھوڑ کر چلی آئی کہ جس وقت وہ بہت تنہا تھا، بہت اکیلا تھا اور اسکی ضرورت محسوس کر رہا تھا! یہیں آ کر وہ خود کو اسکا گنہ گار سمجھتی۔ اسے اس کے پہلے فون کا خیال آتا۔

"تم نے یہ نہیں سوچا کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہونگا"۔

"آپ میرا انتظار کرنا چھوڑ دیں۔" جواب میں کتنی بے حسی سے بولی تھی وہ۔

پھر اسکا خط۔ کتنی بے قراری تھی اس میں اس کیلئے۔

مگر ـــ اس نے بھی تہیہ کر لیا تھا اسے بھول جانے کا۔

پر ـــ کیا وہ اسے بھول پائی تھی۔ ایک پل کو بھی؟

کیا ہوگا؟ کیا اسکی زندگی اسی درد میں کٹے گی؟ وہ بلک بلک کر رو دی۔

فخر عالم نے اس کیساتھ فلرٹ نہیں کیا تھا۔ وہ بے وفا نہیں تھا۔ خود وہ ہی اسے چھوڑ کر چلی آئی تھی۔ اب بھگتنا تو تھا ہی ـــ وہ مزید رو دی۔

فخر عالم اب کسی اور کا ہو چکا تھا۔ اور اس کیلئے محض ایک اجنبی تھا ـــ وہ تکیے میں منہ دیکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

تبھی فرزانہ آ گئی۔

"کیا ہوا دھنک؟" اسکے قریب بستر کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے وہ تشویش سے بولی۔

"کچھ نہیں۔" وہ روتے روتے بمشکل بولی۔

"کسی نے آفس میں کچھ کہہ دیا ہے؟"

"نہیں"۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔

"پھر کیا ہوا ہے بتاؤ نا؟" اس نے اسکا جھکا سر اوپر اٹھایا۔

رو رو کر اسکی خوبصورت آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔

"بس روؤ نہیں پلیز۔ آگے ہی گھر سے بجائے صحتمند ہونے کے مرجھائی مرجھائی آئی ہو اوپر سے اس قدر رونا۔ کچھ تو ضرور ہوا ہے۔ آفس میں یا پھر اس بکھیڑے میں جس میں تم نے قدم رکھا تھا اور جس کیلئے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا... بہرحال چھوڑو جو ہوا سو ہوا۔ اپنے آپکو ہلکان مت کرو۔ تمہاری ضرورت اور بھی بہت سے لوگوں کو ہے..."

فرزانہ کی باتیں سن سن کر دھنک اپنے حواسوں میں آنے لگی۔ انگلیوں کی پوروں سے آنسو پونچھے۔ پاؤں نیچے لٹکاتے ہوئے چپل پہنے اور اٹھ کر منہ دھونے باتھ روم جانے لگی۔

"چلو شاباش کپڑے بدل لو۔ منہ ہاتھ دھو لو۔ کھانا کھاتے ہیں پھر۔" فرزانہ نے اسے باتھ روم تک جانے میں مدد دی۔

دن یوں ہی بے کیفی میں گزر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے پاگل من کو سمجھا پائی تھی فخر عالم اسکے نہیں کسی اور کے نصیب میں تھا۔ وہ اپنے آپکو رسالے اور دفتر کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ مصروف رکھتی۔ آصف سے باتوں میں وقت اچھا کٹ جاتا۔

پھر آج تو وہ ایک منسٹر کی بیوی کا انٹرویو لینے بھی گئی تھی۔ اسے بڑا مزا آیا۔ منسٹر تو منسٹر بیوی ڈیڑھ منسٹر نکلی۔

"سنا ہے آپ بہت اچھا کھانا بنالیتی ہیں"۔ اس نے واقعی کسی سے سن رکھا تھا۔

"جی نہیں۔ آپ نے بالکل غلط سنا ہے۔ میں نے کبھی اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں بنایا۔" جواب ملا تھا۔

"منسٹر صاحب کافی بارعب شخصیت ہیں۔ آپکے ساتھ انکا رویہ کیسا ہوتا ہے؟" اس نے پھر سوال کیا تھا۔

"منسٹر ہونگے وہ پبلک کیلئے۔ گھر میں میں ان پر رعب ڈالتی ہوں"۔ بیگم منسٹر بولی تھیں۔

کافی دلچسپ انٹرویو تھا ــــ آفس آ کر اسے مکمل کیا۔ ٹیپ کیا اور ایڈیٹر کے حوالے کر کے گھر آ گئی۔

فلیٹ کے آگے لگے بجن بوکس پر 'ڈی' کے خانے پر نظر پڑی۔ اس کے نام کا خط انکا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے اچک لیا۔ امی کا تھا۔

اندر آئی بیگ ایک طرف ڈالا، خط کھولا۔ باقی احوال کیساتھ یہ بھی خبر لکھی تھی کہ تسلیم کی اسی ڈاکٹر کیلئے 'ہاں' ہوگئی جو پہلے دھنک کیلئے آیا کرتے تھے۔ بہت اچھے لوگ تھے امی کافی مطمئن لگ رہی تھیں۔ نکاح کی رسم دو ہفتے بعد قرار پائی تھی۔ لڑکا لندن سے آنیوالا تھا۔ نکاح

کے بعد تسلیم کو بھی ساتھ لیکر جانا تھا۔ لڑکا وہاں پر پڑھائی کے آخری مراحل میں تھا۔ خیال تھا تسلیم بھی یورپ گھوم آئیگی۔

خط پڑھ کر اسے خوشی ہوئی۔ پہلے امی ابو خواہ مخواہ ہر رشتہ اسکے انتظار میں واپس کر دیتے۔ اچھا کیا اب کے واپس نہیں کیا۔ اسکا نہ سہی تسلیم اور نیلم تو اپنے گھر کی ہو جاتیں۔

وہ تو پھر بھی اپنے پاؤں پر کھڑی تھی۔ اچھا کما رہی تھی اور مطمئن تھی۔

دھنک کیساتھ ساتھ انہوں نے فرزانہ کو بھی آنے کی دعوت دی تھی ــــ وقت کم اور کام زیادہ تھے۔ امی نے دونوں کو شادی سے دو چار روز قبل آنے کو لکھا تھا۔

فرزانہ آئی تو دھنک نے اسے امی کا خط دکھایا۔

بس پھر کیا تھا ــــ دونوں ماری ماری شوپنگ میں لگ گئیں۔ مہندی، رخصتی، ولیمہ سبھی کیلئے تو ڈریسز تیار کرنے تھے۔ میچنگ شوز اور کیا کچھ نہیں۔

فرزانہ نے تو تسلیم کیلئے گفٹ بھی لینا تھا۔ گفٹ خرید کر وہ دونوں وہیں قریب ہی علاقے کے سب سے ڈیسنٹ اور بڑی بک سٹال میں گھس گئیں۔ گفٹ پیک بھی کروانا تھا اور گفٹ پیک کے اوپر کارڈ بھی لگانا تھا۔

فرزانہ کارڈ پسند کرنے لگی اور دھنک ادھر ادھر گھوم پھر کر ریکس میں لگی کتابوں پر نظریں دوڑانے لگی۔ اسے اچھی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔

تبھی ــــ وہ مخصوص مدھر پرفیوم کی مہک سے چونک اٹھی۔ غیر ارادی طور پر ارد گرد دیکھنے لگی۔ پاس ہی ــــ اسکے بالکل پاس کھڑا فخر عالم بھی کتابوں پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے رخ واپس پھیر لیا۔ آگے بڑھ آئی۔

کیا فخر عالم نے بھی اسے دیکھا تھا؟ کیا اس نے بھی اسکی موجودگی نوٹ کی تھی؟ مگر وہ یہ سب کیوں سوچ رہی تھی؟ اس نے شادی کر لی تھی اور دھنک نے پچھلا ہر رشتہ توڑ دیا تھا۔

پھر وہ کیوں اس سے کوئی اور امید رکھتی تھی۔

وہ دکان سے باہر نکل کر فرزانہ کا انتظار کرنے لگی کہ اندر جیسے اسکا دم گھٹ رہا تھا۔ سانسیں

رک رہی تھیں۔

اس وقت پھر وہ گم سم لگ رہی تھی۔ فرزانہ نے بھی نوٹ کیا۔

"کیا ہوا دھنک؟" گھر کی طرف آتے آتے فرزانہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ افسردہ سی مسکرادی۔ "تمہیں تو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے۔ جہاں میں ذرا خاموش ہوئی تم سمجھیں مجھے کچھ ہو گیا ہے۔" اسکی آواز جیسے دور سے آرہی تھی۔

"تمہیں چپ دیکھ کر مجھے واقعی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔ وہ... وہ والی بات تو ختم ہو گئی نا؟"

اسکا اشارہ دھنک کے افیئر کی طرف تھا۔

"ہاں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"پوچھ سکتی ہوں کیوں ختم ہوا؟"

"اسلئے کہ اسکی شادی ہو گئی اور میں درمیان میں سے ہٹ آئی۔" وہ بڑے ضبط سے بولی۔

"اچھا کیا۔ مٹی ڈالو اب اس بات پر۔ جو چیز باقی نہ رہی ہو اسکا رونا کیسا۔ چلو آؤ شوپنگ کی چیزیں دیکھتے ہیں۔" وہ اسکا دھیان بٹانے کو مختلف چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔

اور — یوں ہی کرتے کراتے دو ہفتے بھی گزرنے کو آگئے۔

وہ دونوں خوشی خوشی دھنک کے گھر کیلئے روانہ ہوئیں۔ اس بار انہوں نے ٹرین سے جانے کا سوچا۔ جلدی جلدی سٹیشن پہنچیں، ٹرین میں چڑھیں، مختصر سا سامان رکھا اور کھڑکی کے قریب جگہ لیکر بیٹھ گئیں۔

ٹرین چل پڑی۔ آبادی سے نکل کر اب وہ لہلہاتے کھیتوں اور گھنے درختوں میں سے گزر رہی تھی۔ پھر سیاہ تاریک سرنگ آئی، قدرے چڑھائی شروع ہوئی، ساتھ ہی پائین کے اکادکا درخت، جھاڑیاں، لمبی لمبی گھاس۔ دور — بہت دور۔ اوپر — خوب اوپر پہاڑی سلسلے پر چیڑ اور صنوبر کے درخت برف سے ڈھکے نظر آرہے تھے۔ ٹرین یہاں نیچے سے ہی آگے بڑھ جاتی تھی۔ یہاں سے ہی تو بارہ میل اونچائی پر آنٹی نور جہان کا گھر تھا — ساتھ ہی فخر عالم کا اسٹیٹ اور جنگلات!

ٹرین کی رفتار کم ہو گئی۔ اور پھر آہستہ آہستہ سٹیشن پر رک گئی۔ دونوں کیا دیکھتی ہیں کہ آنٹی نور جہان بمعہ سوٹ کیس کے اندر تشریف لے آئیں۔

"آنٹی!" دھنک خوشی سے اچھل پڑی۔

آنٹی جو اتنی مہربان اور دلچسپ شخصیت تھیں!

"ارے بیٹا تم"۔

"ہاں آنٹی۔ تسلیم کی شادی پر میں اور فرزانہ جا رہے ہیں"۔ فرزانہ کو دھنک کے سب ملنے والے اسکی مخلص دوست کے حوالے سے جانتے تھے۔

"ارے تو میں کہیں اور تھوڑی جا رہی ہوں۔ وہیں تو جا رہی ہوں۔ کب کا بلاوا آیا رکھا ہے"۔

دھنک نے انکا سوٹ کیس اوپر اپنے سامان کیساتھ رکھ دیا۔ آنٹی بھی انہیں کیساتھ بیٹھ گئیں۔

پھر تو جو گپ شپ شروع ہوئی مزا آگیا۔

دو چار میل اور گزر گئے۔

اب چٹیل میدان تھا۔ اس پر خودرو جھاڑیاں۔

دھنک کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ چٹیل میدان اور خودرو جھاڑیوں کا اپنا حسن تھا۔

پھر — وہ چونکی۔ ساتھ چلتی سڑک پر جیپ میں فخر عالم جا رہا تھا۔ اس نے یقیناً اسے دیکھا تھا۔ جبھی کبھی کبھار اس پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیتا مگر — پرکشش چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور دلنشیں آنکھیں کسی بھی جذبے سے عاری تھیں۔ وہ بہت قریب سے جا رہا تھا اور — اکیلا تھا اس وقت۔ کسی کاروباری کام سے شاید جا رہا تھا اسی لئے فریدہ ساتھ نہیں تھی۔ بہر حال — دھنک نے رخ اندر کی طرف کر لیا۔ انگاروں پر جمی راکھ کو پھونک مارنے سے فائدہ؟

جل ہی تو جانا تھا!

وہ کس طرف نکل گیا؟ ٹرین کس رخ جا نکلی تھی؟ اسے کوئی ہوش نہیں تھا۔

فرزانہ نے ہی اسے چونکایا۔ آنٹی بھی جلدی جلدی اپنا سوٹ کیس اتارنے لگیں۔
دھنک نے گھر اطلاع کی ہوئی تھی۔ ڈرائیور گاڑی لیکر آچکا تھا۔ تینوں بیٹھ کر گھر آ گئیں۔

شادی میں بڑا مزا آیا۔ اسکا بہنوئی بہت اچھی طبیعت کا اور خاصا ہینڈسم تھا۔ ہر دستور پورا ہوا مگر جلدی جلدی اور سادگی سے انجام پایا۔ کیونکہ کمال نے ولیمے کے اگلے ہی دن لنڈن کیلئے روانہ ہو جانا تھا۔ تسلیم حسب پروگرام ساتھ نہ جا سکی تھی کہ اسکے ابھی کاغذات تیار ہونے میں چند دن تھے۔ کاغذات تیار ہوتے ہی اس نے لنڈن کمال کے پاس پہنچ جانا تھا۔

دھنک اور فرزانہ کی بھی صرف چار دن کی چھٹی تھی سو وہ دونوں اور آنٹی نور جہاں بھی ولیمے کے فوراً بعد پھر سے ٹرین میں چل پڑیں۔

فرزانہ اور آنٹی نور جہاں کی موجودگی میں سفر بہت اچھا کٹ رہا تھا۔ گپ شپ میں وقت کا پتہ نہیں چل رہا تھا اور پھر آج تو رات بھی اس نے اور فرزانہ نے آنٹی کے بہت اصرار پر ان کے یہاں گزارنی تھی۔

ٹرین اپنی مخصوص چال اور رفتار سے چلی جا رہی تھی۔

چہار سو رات کی سیاہیاں اتر آئی تھیں۔ ٹرین میں بتیاں جل رہی تھیں اور ـــ ڈنر کی کراکری اور کٹلری کھنک رہی تھی۔

آٹھ بج چکے تھے۔ انہوں نے بھی کھانا منگوایا۔ چٹ پٹا، اپیٹائیزنگ۔

تینوں دلچسپ باتوں کے دوران لذیذ کھانے سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔

ٹرین رواں دواں تھی۔ پسنجرز تھکے تھکے!

دھنک اور فرزانہ نے دیکھا۔ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے ٹکائے آنٹی کو غنودگی نے آلیا تھا۔

''دھنک''۔ فرزانہ نے دھیرے سے اسے مخاطب کیا۔

''ہوں''۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"غور سے سنو۔ آنٹی نے مجھے خاص طور سے تمہیں سمجھانے اور اس بات پر Convince کرنے کو کہا ہے"۔

"کس بات پر؟" رخ موڑ کر وہ فرزانہ کو دیکھنے لگی۔

"ایک لڑکے کامران کا تمہارے لئے رشتہ آیا ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کسی دوست کے گھر دیکھا تھا۔ شاید تم نے بھی دیکھا ہو۔ بہر حال ہر لحاظ سے موزوں ہے۔ جاب، فیملی، کریکٹر سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ اب انکار مت کرنا۔ آنٹی کہتی تھیں چھوٹی بہنیں بیاہی جا رہی ہیں اور یہ بات ہی نہیں سنتی۔ وہ چاہتی ہیں انکی زندگی میں ہی تم سب اپنے اپنے گھروں کی ہو جاؤ۔ تمہاری جاب انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی..."

دھنک کو بہت کچھ یاد آیا — کتنی باتیں، کتنے واقعے، کتنے حادثے... فخر عالم کے یہاں قیام کے دوران...!

"سن رہی ہو نا؟" اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر فرزانہ پھر بولی۔

"آں...ہاں"۔

"اچھی طرح سوچ لو اس بات پر۔ اور پلیز 'نا' مت کرنا۔ مجھ سے آنٹی نے جلدی جواب مانگا ہے"۔

کامران کو اسکا خیال کیسے آ گیا؟ لا ابالی سی چیز تھا۔ بہر حال —

"کیا سوچ رہی ہو؟" فرزانہ نے پھر کہا۔

وہ ہنس دی۔

"بھئی تو تم ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات کر رہی ہو۔ سوچنے تو دو نا"۔ وہ فرزانہ کی خاطر بولی۔ ورنہ اسے شادی کے ذکر سے ہی کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔

"جلدی سوچ لو۔ جواب جلدی دینا"۔

"اچھا بابا"۔

اور وہ پھر سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

پتہ نہیں کیوں؟ کوئی اسکی شادی کا ذکر چھیڑتا تو اسے گھوم پھر کر فخر عالم کی یاد آ جاتی۔ گو کہ وہ اب تک اسے بھولی نہیں تھی کہ یہ اسکے بس میں نہ تھا مگر اسکی یادوں کو وقت کی راکھ تلے دبانے کی کوشش ضرور کی تھی۔

رات قریباً گیارہ بجے وہ لوگ آنٹی نور جہاں کے ہمراہ ٹرین سے اتر گئیں۔ ٹیکسیاں تیار کھڑی تھیں۔ ایک میں بیٹھ کر وہ لوگ بھی گھر کو چل پڑیں۔

سخت سردی تھی یہاں۔ برف اب بھی جگہ جگہ جمی نظر آ رہی تھی۔ جبکہ اندھیرے میں بھی پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

نظریں بھٹکتیں آنٹی کے مشرقی پڑوس پر ٹھہر گئیں۔ آسمان کو چھوتے بلند و بالا چیڑ و صنوبر کے درخت، برف، بادل، کہر سب مل کر قدرت کی عظمت کو اجاگر کر رہے تھے۔ جا بجا فوگ لائٹس اس وقت بھی روشن تھیں — شاید آنٹی کا مشرقی پڑوسی آج ادھر ہی تھا۔

ہزار کوششوں سے سنبھالا دل اس وقت پھر اتھل پتھل ہونے لگا۔ یہاں اس نے چند بہت خوبصورت اور یادگار دن گزارے تھے۔

اسے کئی باتیں یاد آئیں۔ فخر عالم اس ڈاکٹر سے جس سے اسکا علاج ہو رہا تھا جلتا سا تھا۔ اپنے دوست کامران کا دھنک سے فری ہونا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ کسی طرح چاہتا تھا کہ وہ رک جائے مگر روکنے کا کوئی جواز نہ ملتا تھا — کئی باتیں ایسی تھیں جو بن کہے محسوس کی جا سکتی تھیں۔

"چلو نا اندر۔ برف کی طرح تم بھی جم جانا چاہتی ہو کیا۔" فرزانہ تھی۔

"چلو۔" وہ اندر کی طرف بڑھی۔

رات گزار کر وہ اور فرزانہ دوبارہ ٹرین میں سوار ہو گئیں۔ اگرچہ دل دونوں کا واپس جانے کو نہیں کر رہا تھا۔ یہ جگہ ہی اتنی حسین اور پر کشش تھی کہ جی چاہتا تھا رہ جاؤ یہاں، بس جاؤ یہاں — کبھی واپس نہ جانے کیلئے!

اب پھر وہی ڈیوٹی تھی۔ وہی دھنک کا آفس اور فرزانہ کا کالج ـــ گردش صبح و شام!

آج چھٹی پر آفس سے وہ آصف کیساتھ موٹر بائیک پر بیٹھ گئی۔ نیلم کی برتھ ڈے آنیوالی تھی اس نے اس کیلئے برتھ ڈے کارڈ خریدنا تھا۔

دونوں باتیں کرتے چلے جارہے تھے۔

معاًـــ پیچھے ہارن ہوا۔

دھنک نے چونکتے ہوئے مڑکر دیکھا۔

فخر عالم کا ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا اور فخر عالم پیچھے بیٹھا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے بھر میں ہی اس نے نوٹ کیا۔ فخر عالم کے پرکشش چہرے کے نقوش تناؤ کی زد میں تھے۔ اور سیاہ چمکتی آنکھیں جیسے باوجود کوشش ضبط کے غصہ غصہ سی تھیں۔

دھنک سے نظریں چار ہوتے ہی اس نے نگاہیں سامنے جمادیں۔

جانے کیوں؟ دھنک کو ایک گونہ اطمینان ہواـــ اسے اب بھی دھنک کا خیال تھا!

مگر پھرـــ تلخی سے مسکرادی۔

اسے اب بھی دھنک کا خیال تھاـــ وہ کب کہتی تھی کہ نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا وہ اسے چاہتا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اسکی شادی ہوگئی تھی اور اب اسے محتاط رہنا چاہیے تھا جسکی ـــ شاید وہ کوشش بھی کررہا تھا۔ جبھی تو اپنے جذبات چھپانے کی خاطر سامنے دیکھنے لگا تھا۔

اسے شاید آج پھر اسکا آصف کیساتھ بائیک پر بیٹھنا اچھا نہیں لگا تھا۔ اسکی ناراضگی پر وہ واقعی اسکے بعد آصف کیساتھ نہیں بیٹھی تھی مگرـــ

اس نے گہری سانس لیـــ اب وہ بھی اسکی پابند نہ رہی تھی۔ دونوں کے راستے الگ

منزلیں جدا ہوگئی تھیں۔

موٹر بائیک ایک طرف پارک کرکے دھنک کیساتھ آصف بھی بک سٹال میں داخل ہوگیا۔

بڑے سے بک سٹال میں دھنک کارڈز پر اور آصف یونہی کتابوں پر سرسری نظریں دوڑا رہا تھا۔

آصف نے اپنے برتھ سٹار کا بیج خریدا اور بچوں کی طرح خوش خوش دھنک کے پاس پہنچا۔

"پلیز! یہ یہاں لگادونا!" اس نے اپنی جیکٹ کے بائیں طرف اشارہ کیا۔

"اوہ۔Scorpio" وہ اس کا بیج دیکھ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"کیوں؟"

"یقین کرو مجھے بچھو کی تصویر سے بھی نفرت ہے" وہ بری سی شکل بنائے کھڑی تھی۔

"کم آن دھنکـــ لگادو پلیز!"

"کوئی اچھا سٹار لیکر نہیں آسکتے تھے" وہ مسکراتے ہوئے اسکے ہاتھ سے بیج لیکر بہت احتیاط سے اس کی جیکٹ پر لگانے لگی۔

جیسے ذرا بے احتیاطی ہوئی اور بچھو نے ڈنگ ماردیا۔

"اتنا ڈرپوک تو میں تمہیں نہیں سمجھتا تھا" آصف ہنس دیا۔

"ڈرپوک نہیں... مجھے... ڈر لگتا ہے" وہ خوبصورتی سے ہنس دی۔

"ایکسکیوزمی" فخر عالم تھا۔ موسم کے لحاظ سے بہترین سوٹ زیب تن کئے گزرنے کیلئے دھنک سے راستہ مانگ رہا تھا۔ مگرـــ

جیسے کاٹ کھانے کو تھا!

اسکی کسی قسم کی پابند نہ ہوتے ہوئے بھی دھنک یکدم محتاط سی ہوگئی۔ پھر ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا۔

"یہـــ یہـــ مسٹر عالم ہواؤں سے کیوں لڑتا پھرتا ہے؟" آصف اسی خوشگواری سے بولا۔

"پتہ نہیں"۔ دھنک نے خوبصورتی سے کندھے اچکائے۔

"کارڈ خرید لیا؟"

"ہاں۔ چلو۔" بیج لگا کر وہ چلنے کو تیار ہوئی۔

اور ــــ دونوں باہر آ کر دوبارہ بائیک پر بیٹھ گئے۔

دھنک دنوں بعد خوش خوش چہک رہی تھی پر ــــ

فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگی تو احساس ہوا۔

وہ تو کسی اور کا تھا۔ وہ کیوں خوش ہو رہی تھی؟

صرف یہی تو کافی نہیں تھا کہ فخر عالم کو شاید اب بھی اسکا خیال تھا، پروا تھی۔ اسکی شادی اسکی بیوی ایک مسلم حقیقت تھے۔ اور وقت کیساتھ ساتھ اس نے دھنک کو بہر حال بھول جانا تھا۔

اور ــــ اور ــــ بعد میں شاید وہ اپنے اسی پیار کو یاد کر کے فریدہ ہی کے ساتھ مل کر اپنے اوپر ہنستا، اپنی بیوقوفی سمجھتا!

گہری سانس لیتی وہ تھکی تھکی سی فلیٹ کے اندر داخل ہوگئی۔

آج گل داؤدی کی سالانہ نمائش شروع ہو رہی تھی۔ وہ تقریباً ہر سال یہ نمائش دیکھنے جایا کرتی تھی۔ سفید، گلابی، کاسنی، زرد، سنہری تقریباً بھی رنگوں میں سب ایک ہی قطار در قطار ــــ جیسے گل داؤدی کی بہار آ گئی ہو۔ پھر سفید پھول تو اتنے بھلے لگتے کہ وہ کتنی کتنی دیر کھڑی آنکھوں کی پیاس بجھاتی رہتی۔

فرزانہ کو بھی اس نے تیار رہنے کو کہا تھا۔ آفس میں بس حاضری دینے جانا تھا۔ اور پھر سیدھے Exhibition پر۔

"فرزانہ تم تیار ہو؟" دس بجے کے قریب فلیٹ پر آتے ہی اس نے جلدی مچادی۔

"ہاں۔ بس یہ دوپٹہ استری کر لوں"۔

"جلدی کرو۔ کوئیک...."

ایگزیبیشن کے پہلے دن کی بات ہی کچھ اور ہوتی تھی۔ پرائز کس کے پھولوں کو ملا؟ ججز کون کون تھے؟ سب پتہ چل جاتا تھا۔ اور پھر پھولوں کی تازگی بھی تو دیدنی ہوتی تھی!

دھنک بھی جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔ ڈارک گرین کپڑوں پر گرے جیکٹ اور گرے ہی شوز پہنے۔ گھنے خوبصورت بالوں میں برش کیا اور ــــ

کندھے سے اپنا ہینڈ بیگ لٹکاتی وہ تیار کھڑی تھی۔

"آصف بھی آئیگا"۔ دھنک نے اطلاعاً کہا۔

"وہ تمہارا کولیگ جو اکثر بائیک پر تمہیں چھوڑ کر جاتا ہے؟" فرزانہ جوتے پہنتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ فوٹوگرافی اسکی ہوبی ٹھہری میری"۔

فرزانہ بھی تیار ہوئی تو دونوں نیچے آگئیں۔ بس میں بیٹھیں اور مقررہ جگہ کے قریب بس سٹاپ پر اتر گئیں۔ دونوں نے دیکھا اسی بس میں سے آصف بھی اتر کر انکی طرف آ رہا تھا۔

گل داؤدی کی آج بھی بہار آئی تھی۔ دور دور تک مختلف رنگوں کے مختلف تختے سجے تھے۔ کوئی گولائی کی شکل میں، کوئی چوکور، کوئی تکون تو کوئی نیلے کی شکل میں۔ اور ــــ ایک جگہ تو سفید گل داؤدی سلوپ کی صورت میں اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ چند پل تو وہ دیکھتی ہی رہ گئی۔

فرزانہ اور دھنک گھوم پھر رہی تھیں۔ دھنک اپنی نوٹ بک میں پوائینٹس نوٹ بھی کرتی جا رہی تھی۔ کون سا رنگ تھا جو پیارا نہیں لگ رہا تھا۔ تختے اس قدر مہارت سے سجائے گئے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔

آصف اکیلا ہی فوٹو گرافی میں مصروف تھا۔

سلوپ میں بچی سفید گل داؤدی بہر حال نمبر لے گئی۔

ایک عجیب سی خوبصورتی تھی ان میں کہ جنہیں الفاظ بیان کرنے سے قاصر تھے۔ اوپر لگے نام سے پتہ چلا بیگم نواب جہانگیر خان کے تھے۔ انکا ذکر وہ پہلے بھی سن چکی تھی۔ متاثر بھی تھی ان سے۔ گو دیکھنے کا اتفاق نہ ہو سکا تھا۔

سفید ہی پھولوں کے پاس کھڑی اپنی محویت میں وہ رخ موڑے بغیر ہی قدرے پیچھے ہٹی اور کسی سے جاٹکرائی۔

"سوری۔" جلدی سے کہتے ہوئے اس نے پیچھے دیکھا۔

فخر عالم تھا ــــ ڈارک گرے سوٹ میں ملبوس یونانی دیوتاؤں کی سی آن بان لئے تھا۔

وہ ججز میں سے تھا یہاں آ کر دھنک کو معلوم ہوا تھا۔

"تم ــــ تم ــــ Why do you follow me?" وہ بیزاری سے بولا۔

دھنک کو اسکی بات اچھی نہ لگی۔ پھر بھی اپنے آپکو سنبھالا۔

اور اگر یہی سوال میں آپ سے کروں تو؟"

"یو ــ یو ــ ہہہ"۔ جھنجھلا جھنجھلا کر کہتے ہوئے اس نے سر جھٹکا۔

جانے کیا کہنا چاہتا تھا وہ؟ بہر حال غصہ غصہ سا دوسری طرف نکل گیا۔

دھنک نے نظروں ہی نظروں میں ادھر ادھر فرزانہ کو ڈھونڈا۔ دور پرلی طرف سنہری رنگ کے پھولوں کے پاس کھڑی کسی لڑکی سے باتوں میں مصروف تھی۔

دھنک بھی وہیں آ گئی۔

"میری کولیگ سلمٰی۔ لیکچرر ہے ہمارے کالج میں۔" فرزانہ نے اسکا تعارف کرایا۔

"ہیلو"۔ دھنک نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"اور یہ ــــ دھنک ہے۔ 'آئینہ' میگزین کی رپورٹر۔ ہم دونوں اکٹھی ایک ہی فلیٹ میں رہتی ہیں"۔

"اچھا اچھا"۔ سلمٰی بولی۔ "فرزانہ اکثر آپکی باتیں کرتی ہے۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر"۔

"مجھے بھی"۔ دھنک خندہ پیشانی سے بولی۔

اور جب وہ تینوں نمائش سے واپسی پر بس میں بیٹھیں تو ــــ

دھنک نے نڈھال ذہن سے سوچا ــــ ابھی کتنے اور امتحان باقی تھے؟

معاً اسے کامران کا خیال آیا۔ کیوں نہ 'ہاں' کر دے اور اس ساری جھنجٹ سے نجات حاصل کر لے؟

فلیٹ پر پہنچ کر اس نے فرزانہ سے کہہ ہی دیا۔

"فرزانہ امی جو کامران کی بات کر رہی تھیں ٹھیک ہے تم میری طرف سے انہیں 'ہاں' لکھ دو"۔

بغیر شادی کروائے اسے ماں باپ نے چھوڑنا تو تھا نہیں۔ پھر وہ کامران ہو چاہے کوئی بھی۔ کیا فرق پڑتا تھا۔ شادی ہی کرنی تھی، سیٹل ہی ہونا تھا نا ــــ

کامران اچھا لڑکا تھا۔ بظاہر کوئی خامی نہ تھی۔ پھر امی ابو کا بھی ذہنی بوجھ کم ہو جاتا۔

فرزانہ خوش ہو گئی۔ اسکا خیال تھا دھنک کا دھیان بٹ جائیگا۔ کتنی کھوئی کھوئی رہتی تھی۔

اداس چہرہ ویران آنکھیں۔ شاید اسی طرح ہی اسکے چہرے پر چھائی اداسی کی چھاپ ختم ہو، آنکھوں کی ویرانیاں دور ہوں۔

اور ــــ فرزانہ نے واقعی اسکی امی کو خط لکھ دیا۔

صبح لیٹر بکس میں دھنک کے سامنے ڈالا۔

اور دھنک چپ چاپ اپنے مقدر کے فیصلے کو تکتی رہی۔

آج آفس میں بھی وہ کھوئی کھوئی سی رہی۔ سوچوں میں گم۔

"ارے آپکے دانت کچھ زیادہ ہی خوبصورت نہیں ہیں؟" پہاڑ پر فخر عالم کے یہاں مسکرا دینے پر کامران نے اسے کہا تھا۔

وہ سرخ سی ہو گئی تھی۔

"میں ہمیشہ سچ بات کہتا ہوں آپ تمام کی تمام یعنی ساری کی ساری بہت خوبصورت ہیں اور خوبصورت چیز کی تعریف نہ کرنا کفران نعمت ہے"۔ کامران بولے جا رہا تھا اور۔

فخر عالم بالکل سنجیدہ تھا اس دوران۔

"اب جاؤ۔ ناشتہ لگ چکا ہوگا"۔ اس نے کامران کو مخاطب کیا تھا۔

"ٹھہرو یار بات کرنے دو"۔ وہ پھر دھنک کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ "بائے داوے آپکا نام کیا ہے مس؟"

"دھنک"۔ وہ دونوں دوستوں کی کھینچا تانی پر مسکرا رہی تھی۔

"یعنی قوس قزح یعنی رین بو۔ گوڈ ــــ کتنا حسین نام ہے۔ کیوں فخر عالم؟"

اور ــــ فخر عالم خاموشی سے جھکتے ہوئے اپنے کتے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔

کامران سمجھ گیا فخر عالم اس معاملے میں کوئی رائے دینا نہیں چاہتا تھا۔

"اچھا Pretty lady ہم چلتے ہیں"۔ کامران نے کہا تھا۔

اور پھر وہ دونوں چلدیئے تھے۔

ان سوچوں نے آج شاید اسلئے یلغار کر دیا تھا کہ آج اس نے اپنی زندگی کا اہم ترین

فیصلہ کر لیا تھا۔

"جان من کچھ وقت ہمیں بھی دو"۔ آصف ڈیسک پر آ بیٹھا تھا۔

"ہوں ــــ کیا ہے؟" وہ چونکی۔

"بھئی کن سوچوں میں گم ہو۔ کچھ ہم غریبوں کا بھی خیال کرو"۔

"مثلاً؟" وہ مسکرا دی۔ اسکی باتیں ہی ایسی اوٹ پٹانگ ہوتی تھیں۔

"مثلاً یہ کہ۔" وہ چند لمحے سوچ میں پڑ گیا جیسے سوچ رہا ہو کہ کیا کہے۔ "آؤ دونوں شادی کر لیتے ہیں"۔

وہ بے اختیار ہنس دی۔

"بڑا تیر مارا ہے"۔

"نہیں۔ میں سیریس ہوں"۔

"اچھا"۔

"ہاں"۔

"تو آؤ پھر۔ کر ہی لیتے ہیں"۔

"مگر ــــ کہاں کرینگے۔ کورٹ میں۔ سول میرج...؟"

"ہاں۔ جیسے تم کہو"۔

"تو آؤ نا۔ چلتے ہیں"۔

"چلو"۔ وہ واقعی اٹھ کھڑی ہوئی۔

آصف بھی ساتھ ساتھ چل دیا اور وہ دونوں چیف ایڈیٹر کو اپنی اپنی اسائینمنٹ دکھانے اسکے آفس میں داخل ہو گئے۔

اسائینمنٹ ــــ جس میں پھولوں کا ذکر تھا۔ بیگم نواب جہانگیر خان کے سفید گل داؤدی کو نمبرون قرار دیا گیا تھا مگر ــــ ججز میں فخر عالم بھی تھا۔ یہ ذکر کہیں نہیں تھا۔

موسم نے ایک بار پھر انگڑائی لی تھی۔سردی آخری سانسیں لے رہی تھی۔کلیاں چٹک کر بہار کی آمد کا پتہ دے رہی تھیں۔

مالٹوں کے پھولوں کی خوشبو روح میں اتر رہی تھی۔سویٹ پیز کی مہک بے خودی طاری کر رہی تھی۔رنگ و بو سحر جگا رہی تھی!

شام چائے کے بعد وہ اور فرزانہ فلیٹس کے نیچے والے لان میں بیٹھیں بہار کی مہکار سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

معاً انکے پڑوسی فلیٹ کا لڑکا آکر فرزانہ کو ایک خط کا لفافہ تھما گیا۔جو غلطی سے ڈاکیہ انکے گھر ڈال گیا تھا۔

فرزانہ نے جلدی جلدی کھولا۔دھنک کی امی کا خط تھا۔جو فرزانہ کے خط کے جواب میں آیا تھا۔بقول انکے دھنک نے کامران کے حق میں 'ہاں' کہہ کر نہایت عقلمندی کا ثبوت دیا تھا اور سبھی اسکے اقرار سے بہت خوش اور مطمئن تھے۔اسکے علاوہ کامران کے گھر والوں کو بھی 'ہاں' کہلوادی گئی تھی۔

دھنک کو اچانک لگا جیسے اس نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار دی تھی۔مگر—— دوسرے ہی لمحے خیال آیا۔کیسے؟ کسکا انتظار تھا اسے؟ کس نے آنا تھا؟ کس نے اسے اپنانا تھا؟ جو وہ اس رشتے پر پچھتا رہی تھی۔اور پھر فخر عالم کے سوا تو ہر شخص اس کیلئے ایک برابر تھا۔وہ کامران ہی سہی!

گزرے ہوئے لمحات —— فخر عالم سے اسکی کورٹ کے آگے پوچھ گچھ، پھر اسکے پیچھے پہاڑ پر جا کر بہانے سے اسکے گھر کے اندر گھسنا۔بعد میں بڑھتی ہوئی ملاقاتیں پیار و محبت کے عہد و پیمان اور بالآخر فخر عالم کی گھریلو پیچیدگیوں اور کسی اور کا حق مارنے سے ضمیر کی چبھن سے گھبرا کر اس کو چھوڑ دینا۔سب پلوں میں ہی اسکی نظروں میں گھوم گئے۔اور شربتی آنکھوں کو نم کر گئے۔

"پچھلی باتوں کو بھول جاؤ۔نئی دنیا بسانے کی سوچو۔کیونکہ 'اور بھی دکھ ہیں زمانے میں

محبت کے سوا'۔" فرزانہ نے ہمیشہ کی طرح اسکی تسلی کیلئے کہا۔

دکھ سے مسکراتے ہوئے اس نے نم آنکھیں پونچھ لیں۔

"فرزانہ تم نہ ہوتیں میرے ساتھ تو میں زندگی سے مشکل سے سمجھوتہ کر پاتی۔کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں تمہاری تسلیوں اور حوصلہ افزائی کے سہارے زندہ ہوں۔"

"آؤ اوپر چلیں۔ٹی وی دیکھتے ہیں۔" فرزانہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔

اور دونوں اوپر فلیٹ میں آگئیں۔

دن دھیرے دھیرے سرک رہے تھے۔ دھوپ کی تمازت بڑھ گئی تھی، دن پھیل رہے تھے، راتیں سکڑ رہی تھیں۔

دن کو موتیا، رات کو رات کی رانی جادو جگا رہی تھی۔

آج دنوں بعد نیلم کا خط آیا تھا۔ لکھا تھا منگنی کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور دھنک اور فرزانہ مقررہ وقت پر پہنچ جائیں۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اسے جانا پڑا۔ کہ یہ دنیا کا دستور تھا۔ اسے منگنی کی انگوٹھی پہنانے لڑکے والے آرہے تھے۔

وہ اور فرزانہ دونوں گئی تھیں۔ منگنی کی رسم سادگی سے ہوگئی۔ کامران کی بڑی بہن نے اسے ہیروں سے جگمگاتی انگوٹھی پہنائی اور یوں وہ کسی اور کی امانت بن گئی۔

اگلے ہی دن فرزانہ اور وہ واپس آگئیں۔ ڈیوٹی بھی تو تھی دونوں کی۔

ڈھیر ساری مٹھائی جو امی نے فرزانہ کے حوالے کی تھی وہ اس نے فلیٹس میں بانٹی۔ خود اپنی ٹیچرز کو کھلائی۔

"میرے ساتھ آئندہ بات مت کرو"۔ یہ آصف تھا جس نے چھوٹتے ہی خفگی کا اعلان کیا۔

"کیوں؟" وہ مسکرا دی۔

"یہ منگنی میرے ساتھ کرنی تھی"۔

"تمہیں کس نے بتایا میری منگنی ہوگئی"۔

"جناب میری کزن پڑھتی ہے اسی کالج میں جس میں مس فرزانہ ٹیچرز کو تمہاری منگنی کی مٹھائی کھلا رہی تھیں"۔

"اوہ۔ تو بات اس طرح پھیلتی ہے۔"

"میں نے تمہیں مسٹر کامران سے بہت پہلے پروپوز کیا تھا"۔

"اب کیا ہو سکتا ہے۔"

آصف نے گہری سانس لی۔

"ہاں اب کیا ہو سکتا ہے۔ کم از کم مٹھائی تو کھلا سکتی تھیں"۔

وہ اسکی معصومیت پر ہنس دی۔ دھیرے سے۔

"کل لا دونگی۔ میرا تو خیال تھا کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ یہ کیا معلوم تھا کہ تمہیں پہلے سے خبر ہو چکی ہے۔"

"ایسی باتیں بھی کبھی چھپتی ہیں"۔

"نہیں۔" ہنسی روکتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ویسے اب بھی وقت ہے میری مانو تو یہ منگنی توڑ دو"۔ آصف نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"کیوں؟"

"اسلیئے کہ پھر ہم دونوں شادی کر سکیں گے"۔

"بس کرو اب۔ کام کرو"۔

اور آصف نے واقعی سنجیدگی سے اپنے سامنے فائل کھول دی۔

آج گھر واپس جانے کیلیئے وہ پھر بس سٹاپ پر کھڑی تھی۔

تبھی آصف کا وہاں سے گزر ہوا۔ موٹر بائیک روک کر اسے پیچھے بٹھالیا۔ دونوں چل پڑے۔

کچھ ہی دور گئے ہونگے کہ دھنک کی نظر پیچھے سے آتی گاڑی پر پڑی۔ فخر عالم تھا۔ آج اپنی مرسیڈیز میں نہیں تھا۔ لینڈ کروزر چلا رہا تھا۔ یہیں سے اسکے بھی آفس کا راستہ پڑتا تھا۔

اسکے چہرے کے تاثرات دیکھے بغیر ہی دھنک نے رخ آصف کی طرف کر لیا۔

معاً انکی بائیک کے بالکل پاس سے 'زوں' کی سی آواز آئی۔ آصف اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور وہ دونوں بمعہ بائیک کے آہستہ سے لڑھک کر کچے میں جا پڑے۔

اٹھ کر کپڑے جھاڑتے ہوئے دھنک نے دیکھا فخر عالم وہاں سے آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی اور ویو مرر میں سے وہ اب بھی ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

یعنی یہ سب اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ اتنا قریب سے گزرا تھا کہ بائیک کا توازن ڈگمگا گیا تھا اور وہ دونوں کچے میں جا لڑھکے تھے۔ گویا اسکا مقصد بائیک کو یا ان دونوں کو نقصان پہنچانا نہ تھا بس ذرا گرا دینے کا شوق چرایا تھا۔

تو ۔۔۔ اس طرح سے وہ اس کے آصف کیساتھ بیٹھنے پر انہیں گرا کر خوش ہو رہا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی دھنک کو اسکی اس بچوں کی سی حرکت پر ہنسی آ گئی۔

جانے کب تک وہ آصف سے جلتا رہیگا؟ پتہ نہیں کامران سے اسکی منگنی کا معلوم ہوگا تو کیا ردعمل ہوگا؟ بہر حال ۔۔۔

"یہ ۔۔۔ یہ مسٹر عالم اپنے آپکو سمجھتا کیا ہے؟" آصف، دھنک اور فخر عالم کے کسی بھی قسم کے تعلق سے ناواقف تھا۔ غصہ سے بائیک سیدھی کر کے اس پر دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" دھنک مسکرا رہی تھی۔

"کمال ہے تم مسکرا رہی ہو"۔

"تو روؤں بیٹھ کر"۔

"کچھ تو کہو نا"۔

"اچھا ۔۔۔ شو مارتا ہے۔ سر پھرا ہے۔ دماغ خراب ہے۔ اپنے آپکو بہت اونچی چیز سمجھتا ہے... کافی ہے یا تھوڑا اور بھی کہوں؟" وہ بھی اسکے پیچھے جا بیٹھی۔

"کافی ہے"۔ وہ اسی جھنجلاہٹ سے بولا۔

اور دھنک ہولے سے مسکرا دی۔

"ویسے یہ سب اس نے جان بوجھ کر تو نہیں کیا تھا؟"

"جان بوجھ کر کیوں کرتا؟" دھنک نے بات بنائی۔

"یار تم جیسی خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر دل کیا ہوگا کہ 'زوں' کر کے تیزی سے گزر جاؤ شاید

متوجہ ہو"۔

"فکر مت کرو یہ لڑکی متوجہ نہیں ہوتی"۔

"ہاں یہ تو مجھے معلوم ہے"۔

اور دھنک پھر ہنسی صاف چھپا گئی۔

تھوڑی دیر دونوں خاموشی سے آگے بڑھتے رہے۔

"یار پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے اس نے یہ جان بوجھ کر کیا ہے؟"

"تو؟"

"ان امیروں کی بھی کیا شان ہوتی ہے۔ میں اکثر اس کو اسی راستے سے گزرتے دیکھتا ہوں۔ کبھی شوفر Driven نئے موڈل مرسیڈیز میں شان سے پیچھے بیٹھا ہوتا ہے۔ کبھی کبھار جیپ ہوتی ہے خود چلاتا ہے اسے۔ آج اس لینڈ کروزر میں تھا۔ روز روز گاڑیاں بدلتا رہتا ہے..."۔

اچھی بات ہے نا پیسہ ہے تو خرچ کرنا چاہئیے"۔

"آج بڑی اسکی سائیڈ لے رہی ہو"۔

"نہیں خیر ایسی بات بھی نہیں"۔

"تمہیں یاد ہے اس پر جو مرڈر کیس بنا تھا تمہیں یہ کتنا برا لگتا تھا۔ کہتی تھیں دل چاہتا ہے اسکی سیاہ چمکتی آنکھیں پھوڑ لوں... اب تو تم بدل گئی ہو"۔

"ظاہر ہے اصلی ملزم پکڑا جا چکا ہے اس بچارے کا کیا قصور؟"

"واہ ۔۔۔ بچارا۔ کل کہو گی بے سہارا، بے آسرا، پھر کہو گی اکیلا"۔

"اب بس کرو آصف۔" وہ مسکرا دی۔ "تم تو اسی کو لے بیٹھے ہو"۔

"ویسے ایک بات ہے۔ ہے بہت شاندار۔ ٹال، ہینڈسم، بالوں کا سٹائل دیکھو بلکہ رہن سہن کا سٹائل دیکھو ۔۔۔ کیا عالیشان چیز ہے۔ میں دل ہی دل میں فین ہوں اسکا تمہیں پتہ ہے؟"

"ہاں۔ جبھی تو اتنی سائیڈ لیا کرتے تھے اسکی"۔

"تمہیں اب بھی برا لگتا ہے؟"

"ہاں"۔

"اب تو بقول تمہارے یہ بچارا ہو گیا ہے۔ یعنی قصور وار نہیں ہے"۔

"ہاں"۔

"پھر؟"

"پھر بھی اچھا نہیں لگتا"۔

"کیوں؟"

"بھئی میری مرضی"۔ دھنک جھنجلا اٹھی۔ سوائے فخر عالم کے کوئی اور بات کرتا ہی نہیں تھا۔

"اتر جاؤ میری بائیک سے۔" اسکا منہ پھولا پھولا تھا۔

"اتر رہی ہوں"۔ فلیٹس کا گیٹ آ چکا تھا۔ "خدا حافظ"۔

"خدا حافظ"۔ آصف نے بھی اسی لہجے میں کہا اور ــــ

آگے بڑھ گیا۔

آج شہر کی آبادی سے پرے مضافات میں بیگم نواب جہانگیر خان کے ہاں ڈنر تھا۔ بیگم صاحبہ بیوہ تھیں، تقریباً چالیس بیالیس سال عمر تھی، سنا تھا۔ بہت خوبصورت تھیں، بہت رکھ رکھاؤ والی تھیں۔ انکی رہائش گاہ خاص طور سے انکے باغات دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ انکے یہاں کی پرانی طرز کی راہداریاں، بارہ دریاں اب بھی باہر سے آنے والوں کیلئے بہت کشش کا باعث تھیں۔

آج کا ڈنر کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ اکثر و بیشتر ایسی دعوتیں دیا کرتی تھیں۔ شاید پرانی روایت چلی آ رہی تھی یا پھر شاید بیگم صاحبہ اپنی تنہائی دور کرنے ایسی محفلیں سجایا کرتی تھیں۔ بہر حال۔

آج دھنک اور آصف بھی وہاں پہنچنے کو تیار تھے۔ آصف بطور فوٹو گرافر اور دھنک نے بیگم صاحبہ کا انٹرویو کرنا تھا۔

سفید مہین لباس میں وہ آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی۔ وہ بہت ایکسائیٹڈ تھی۔ بیگم صاحبہ کی شخصیت اس کیلئے خاصی اٹریکشن کا باعث تھی۔ بلکہ دونوں ہی بہت خوش تھے۔ میگزین میں بیگم صاحبہ، مہمانوں اور انکی رہائشگاہ و باغات کی تصویریں بھی آ جاتیں اور ساتھ میں ان کا انٹرویو بھی۔

شام کے دھندلکے اتر آئے تھے۔ پرندوں کے غول اپنے اپنے آشیانوں کی طرف رواں دواں تھے اور ــــ قریب ہی نالے کے کنارے چلتا چھوٹا سا گڈریا بھیڑ بکریوں کے بڑے سے ریوڑ کو ہانکتا گھر واپس جا رہا تھا۔

آصف کی بائیک پر بیٹھے دھنک اور آصف چلتے چلے گئے۔ آٹھ بج چکے تھے وہاں پہنچے

پہنچے۔

اندر بہت رونق تھی، بڑی چہل پہل تھی۔ علاقے کی قریباً تمام ایلیٹ کلاس انوائیٹڈ تھی۔ جینٹس قیمتی سوٹس اور لیڈیز بیش قیمت لباس پر دیدہ زیب جیولری پہنے تھیں۔ اعلیٰ کوالٹی کے سگریٹس کی اروما تھی۔ فرانس کی پرفیومری کی مہک تھی!

ادھر ادھر سے کانوں میں آواز پڑی۔ ڈنر فخر عالم کے اعزاز میں دیا گیا تھا!

وسیع وعریض لان میں لوگ ٹولیوں کی شکل میں کھڑے تھے۔ کچھ ادھر ادھر راہداریوں یا پھر بارہ دریوں میں سے اردگرد کے نظاروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کچھ شاید باغات میں محوخرام ہونگے۔ بہر حال۔

روشنیوں کی چکاچوند میں انہوں نے دیکھا۔ سامنے ہی مرمریں ستونوں والے محرابی برآمدے میں بہت قیمتی اور خوبصورت صوفے پر بیگم صاحبہ تشریف فرما تھیں اور ــــ اور ــــ ساتھ میں اسی صوفے پر ایک طرف ہو کر فخر عالم بیٹھا تھا۔ سیاہ قیمتی سوٹ میں بہت ڈشنگ لگ رہا تھا۔

گویا اتنے سارے مہمانوں میں وہ مخصوص مہمان تھا کہ میزبان جس پر خاص عنایت کئے تھیں۔ اسکو اپنے پاس صوفے پر جگہ دی تھی۔

جہاں باقی سب میزبان کی رہائشگاہ، رکھ رکھاؤ کے معترف نظر آرہے تھے وہاں بیگم صاحبہ فخر عالم سے باتوں میں محو جیسے اطراف ہی سے بے خبر تھیں۔

"ہو جائے ایک تصویر؟" آصف نے دھنک سے کہا۔

"پہلے اجازت تو لے لو۔" اسے معلوم تھا فخر عالم پریس والوں سے دور بھاگتا تھا اور اگر چپکے سے تصویر لے لی گئی تو میگزین میں دیکھ کر دھاڑنے لگے گا۔

"ٹھیک ہے میں جاتا ہوں۔"

دھنک دور سے دیکھ رہی تھی۔

آصف انکے پاس گیا۔

"ایکسکیوزمی۔ کیا میں اپنے میگزین کیلئے آپ دونوں کی تصویر لے سکتا ہوں؟"

فخر عالم اسے کئی بار دیکھ چکا تھا، جانتا بھی تھا۔ دھنک نے اسے بتایا تھا وہ اسکا کولیگ تھا۔

"سوری ــــ مجھے آپ ایکسکیوز کر دیں"۔ وہ اٹھ کر ایک طرف ہو گیا۔ "ہاں بیگم صاحبہ کی اپنی مرضی"۔

"کم آن ڈارلنگ! کیا فرق پڑتا ہے"۔

فخر عالم مسکرا دیا۔ خوبصورتی سے۔

"Sorry Ma'am—I can't afford any scandle."

"آپ سکینڈلز سے اتنے خائف کیوں رہتے ہیں؟"

آصف خاص صحافت کے انداز میں پوچھنے لگا۔

"میں کوئی جواب نہیں دونگا۔" وہ اپنے مخصوص مبہم انداز میں مسکرایا۔ "ورنہ وہ میرا انٹرویو بن جائیگا"۔

اور آصف صرف بیگم صاحبہ کے ہی چند پوز کیمرے میں اور کچھ بات چیت کاغذ پر محفوظ کر کے واپس آ گیا۔

"بات کچھ بنی کہ نہیں"۔ دھنک نے پوچھا۔

"فخر عالم صاحب نے تو صاف ایکسکیوز کر لیا۔ ہاں بیگم صاحبہ کی تصویریں اور انٹرویو کر لیا۔ ویسے پتہ نہیں کیوں میری چھٹی حس کہتی ہے دونوں میں کچھ گڑبڑ ہے۔ اگر دونوں میں نہیں تو ایک میں تو ہے ہی ہے"۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ــــ بیگم صاحبہ مسٹر فخر عالم پر ذرا ضرورت سے زیادہ ہی مہربان نظر آتی ہیں"۔

اور دھنک بے اختیار ہنس دی۔

"پریس والوں سے جبھی تو لوگ گھبراتے ہیں"۔

"صحافت کی ایک روح ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے کیلئے دماغ ہونا چاہئیے سمجھیں"۔

"بس بس میں تمہاری تعریف نہیں کرونگی"۔

"تعریف شاید کچھ نظر آئی ہے جبھی تو کہہ رہی ہو"۔

"ہونہہ — چالیس بیالیس سالہ بیوہ اور تیس بتیس سالہ لڑکا۔ تم نے بھی کیا جوڑی ملائی ہے"۔

"مان لو۔ کچھ نہ کچھ ہے"۔

"میں نہیں مانتی"۔

"اسلئے کہ ابھی شروعات ہیں اور بات یکطرفہ ہے یعنی صرف بیگم صاحبہ کی طرف سے ہے بعد میں دوطرفہ ہوجائیگی"۔

"اسکی اپنی بیوی کدھر ہے؟" دھنک نے ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"ہوگی کہیں فرینڈز وغیرہ کیساتھ۔ سنا ہے وہ بھی خاصی ایڈوانس ہے"۔

"چلو جانے دو۔ آؤ اس طرف بارہ دری چلتے ہیں"۔

اور دونوں وہاں سے چل دیئے — دور بائیں دھنک کی نظر فخر عالم پر پڑی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے ڈنر کے مہمان خصوصی مسٹر فخر عالم ہیں"۔

"ہاں۔ کچھ دیر پہلے ہم دونوں نے یہ بات ایک ساتھ سنی ہے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے یاد دلایا۔

"ویسے ایک اور چیز میں نے نوٹ کی۔ یہ مسٹر عالم تو بہت خوش اخلاق ہیں۔ جیسا میرا خیال تھا ایک امیر مغرور شخص ہوگا۔ ایسا تو بالکل نہیں۔ بڑی خوشگواری اور خوش خلقی سے بات کر رہا تھا"۔

"انٹرویو میں اسکا کوئی ذکر مت کرنا خدا کیلئے"۔ دھنک خائف سی بولی۔

"نہیں کرونگا مگر کیوں؟"

"بس اس نے جو منع کردیا سو منع کردیا"۔

وہ اسکی عادات سے اب تک بخوبی واقف ہوچکی تھی۔ وہ کسی طور پر بھی Lime light میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ بقول اسکے وہ پریس والوں سے الرجک تھا۔

"اچھا۔ ٹھہرو میں یہاں کی کچھ تصویریں لونگا"۔ وہ تصویریں لینے لگا۔

دھنک نے دیکھا۔ چاق و چوبند باوردی بیرے اوول شیپڈ تالاب کے گرد لگی ٹیبلز پر کھانا لگانے لگے تھے۔

یہاں جابجا خوبصورت لیمپ پوسٹس مدھم روشنی بکھیر رہے تھے۔ تالاب کا گہرا نیلا پانی، کھلا آسمان اور مدھر روشنیاں — عجیب خواب آور سا ماحول تھا۔

تبھی — کھانا لگنے کا اعلان ہوا۔

سبھی ٹیبلز کے گرد سمٹ آئے۔ انواع و اقسام کے کھانے لگے تھے۔ لیمب روسٹ چکن تکہ، باربی کیو، کئی قسم کی سلاد، سویٹ ڈشز!

مہمان اپنی اپنی پلیٹوں میں کھانا لیکر یہاں وہاں بکھرتے ہوئے خوش گپیوں کے دوران سحر انگیز ماحول میں لذیذ کھانوں کا لطف لینے لگے۔

"ایک پوائنٹ اور"۔ آصف پلیٹ میں کھانا لئے اسکے پاس آیا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"تم نے خیال کیا تھا۔ اول نمبر سفید گل داؤدی کو قرار دیا گیا تھا"۔

"تو؟"

"ججز میں مسٹر فخر عالم بھی تھا"۔

"پھر؟"

"خود بھی کچھ سمجھا کرو۔ بیگم صاحبہ سے کچھ دلچسپی ہے جبھی تو..."

"بڑی دور کی کوڑی لائے ہو"۔

"مانتی ہو نا"۔

"آصف ایمان کی کہو سفید گل داؤدی سب میں متاثر کن تھی یا نہیں؟ تم ججز میں سے

ہوتے تو اپنی رائے سفید پھولوں کیلئے ہی دیتے یا نہیں؟ اس نے سرزنش کے انداز میں کہا۔

"تم ہی نے تو کہا بڑی دور کی کوڑی لائے ہو"۔ وہ مسکین سی شکل بناتے ہوئے بولا۔

"غصہ آیا تھا مجھے۔ خواہ مخواہ کسی پر شک کرنا اچھی بات نہیں"۔

"ہم صحافی شک نہ کریں تو سچائی تک کیسے پہنچیں۔ ہمیں پہلے شک پڑتا ہے۔ پھر ہم پیچھا کرتے ہیں اور پھر کہیں جا کر حقیقت تک پہنچتے ہیں سمجھیں؟"

"بس بہت سمجھ گئی۔ اب کھانا کھاؤ"۔

آصف قدرے آگے بڑھا اور مہمانوں کے ہجوم میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

تبھی ـــ دھنک کو اپنے آس پاس فخر عالم کی مخصوص مہک محسوس ہوئی۔

دائیں طرف دیکھا واقعی وہ کھڑا تھا۔

"تم ـــ یہاں رات کے وقت کیوں آئی ہو؟" اسکے لہجے میں تحکم تھا۔

"ڈنر رات کو ہی ہوتا ہے"۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"تم کیوں بھول جاتی ہو کہ تم ایک لڑکی بھی ہو"۔ اسکے لہجے میں تیزی آئی۔

"میری مرضی میں کچھ بھی کروں"۔

اور ـــ فخر عالم نے جیسے غصہ بڑی مشکل سے ضبط کیا۔

"دل چاہتا ہے تمہیں اتنا ماروں اتنا ماروں کہ ـــ ساری جرنلزم دھری رہ جائے"۔

اسے مزید تیز ہوتے دیکھ کر وہ دوسری طرف چل دی۔ کیونکہ وہ یہاں کی بہت اہم شخصیت تھا۔ لوگوں کی نظریں اس کیساتھ ساتھ دھنک پر بھی پڑ سکتیں تھیں اور ـــ وہ بھی کوئی سکینڈل نہیں چاہتی تھی۔

آصف نے چند اور مہمانوں کے خیالات انکے میزبان کے بارے میں نوٹ کئے۔ کچھ تصویریں اور بنائیں اور واپس دھنک کو ڈھونڈتا اس تک آ پہنچا۔

پاس ہی تھوڑے فاصلے پر جانے کہاں سے گھوم پھر کر فخر عالم بھی آ کھڑا ہوا تھا۔ پلیٹ میں کھانا لئے ایک لڑکی سے محو گفتگو تھا۔ شاید فریدہ تھی۔ بہر حال لڑکی کی ان کی طرف پیٹھ تھی اور

فخر عالم کا سائیڈ تھا۔

"تم تو بس موڈل بن کر کھڑی رہو۔ سارا کام مجھے کرنا پڑ رہا ہے۔ انٹرویوز فوٹوگرافی..."

آصف حسب عادت فری فرینک لہجے میں بولا۔

"تو کیا ہوا۔ مشکل وقت میں اپنے ہی کام آتے ہیں... اور پھر میں تمہارے لئے سویٹ ڈش بھی تو لائی ہوں..."

"کہاں ہے؟"

"اسی میں سے کھاؤ۔ الگ پلیٹ نہیں لا سکتی تھی"۔ دھنک نے اپنی پلیٹ اسکی طرف بڑھائی۔

"جب سے کامران صاحب کی مہر لگی ہے تم پر کامل ہوتی جا رہی ہو دن بدن"۔ وہ اسکی پلیٹ میں سے چمچ بھر کر منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔

دھنک کی نظریں فخر عالم پر پڑیں۔ مارے غصے کے بے کل سا لگ رہا تھا ـــ کان ادھر ہی لگے تھے ـ ـ کامران کے نام پر چونک سا پڑا۔

"ویسے تمہاری منگنی کی انگوٹھی ہے زبردست۔ لگتا ہے بڑی آسامی ہے"۔

بے دلی سے باتوں میں مصروف فخر عالم بے چین سا نظر آنے لگا۔

"مجھے آسامی واسامی کا نہیں پتہ میں نے صرف کامران سے منگنی کی ہے"۔ دھنک دھیرے سے بولی مگر ـــ لگتا تھا فخر عالم ہمہ تن گوش تھا۔ کیا دھیمی کیا اونچی بھی باتیں سن رہا تھا۔

معاً آصف کی نگاہ اپنی گھڑی پر گئی۔

"دھنک چلتے ہیں دیر ہو رہی ہے"۔ وہ آخری چمچ منہ میں ڈالتے ہی بولا۔

"ہاں"۔ دھنک نے فوراً پلیٹ اسے تھمائی۔

آصف جا کر پلیٹ میز پر رکھ آیا۔

اور دونوں باہر گیٹ کی طرف بڑھے۔

گرمی اچھی خاصی ہوگئی تھی۔ گلاب کھل اٹھے تھے، موتیا کی مہک فضاء میں رچ بس گئی تھی اور ـــــ رات کی رانی راج کرنے لگی تھی۔

آفس سے تھکی ہاری وہ فلیٹ پر پہنچی تو حسب عادت بیجن بوکس پر نظر ڈالی۔ پھر خوشی سے کھل اٹھی۔ گھر سے خط تھا۔ دنوں بعد کوئی خط آیا تھا۔ امی کو شاید کاموں سے فرصت نہیں ملتی تھی اور نیلم تو تھی ہی سست۔ آج مہربانی کر ہی ڈالی تھی۔

اندر اپنے چھوٹے سے لونگ روم میں آکر اس نے بیگ کونے میں کھڑے ہینگر سے لٹکایا۔

کھڑکی کے قریب آرم چیئر پر ٹانگیں سیدھی پھیلا کر بیٹھتے ہوئے اہتمام سے خط کھولا۔

سلام دعا خیریت کے بعد لکھا تھا۔

"باجی! کامران کی بہن کا خط آیا تھا لکھا تھا۔ 'کامران تین سال کیلئے امریکہ جارہا ہے۔ ظاہر ہے تین سال تک بات التوا میں پڑ جائیگی۔ اسلئے ہم آپکو لٹکائے رکھنا نہیں چاہتے۔ آپ چاہیں تو دھنک کی شادی کہیں اور کر سکتے ہیں...'

اور دھنک دیر تک یوں ہی بیٹھی خالی خالی نظروں سے سامنے تکتی رہی۔

تبھی فرزانہ آگئی۔

"کیوں؟ خیریت؟" فرزانہ تاڑ گئی اسکی گود میں رکھے خط سے اور اسکی خالی خالی نظروں سے۔

دھنک مسکرادی۔ ایسی مسکراہٹ جس میں نہ خوشی تھی نہ اداسی۔

بغیر کچھ کہے آہستہ سے خط فرزانہ کو پکڑا دیا۔

فرزانہ نے خط لیتے ہوئے اپنا بیگ ہینگر سے لٹکایا۔ واپس آکر اسکے مقابل کرسی پر بیٹھی

اور ـــــ

خط پر نظریں دوڑانے لگی۔

خط پڑھ کر ایک نظر دھنک پر ڈالی۔ وہ اب بھی خالی خالی نظروں سے خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ چہرے پر کسی بھی قسم کا جذبہ لئے بغیر۔

فرزانہ نے گہری سی سانس لی۔ خط تہہ کر کے دوبارہ لفافے میں ڈالا۔ لفافہ درمیانی میز پر رکھا۔

"تم پریشان ہو؟" فرزانہ کا لہجہ اداس تھا۔

"نن... نہیں تو"۔ وہ چونکتے ہوئے اسکی طرف دیکھنے لگی۔

اسکے خوبصورت لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ جسے پھر فرزانہ سمجھ نہ پائی۔ اداسی کی تھی خوشی کی تھی یا یوں ہی بغیر کسی مطلب کے؟

"دفع کرو۔ کامران میں کوئی سرخاب کے پر تھوڑی لگے تھے۔ کہیں اور لکھی ہوگی تمہاری قسمت۔ پہلے بھی اچھے خاصے رشتے آچکے ہیں تمہارے۔ آگے بھی امید رکھنی چاہیئے"۔

"مجھے کب شادی کی اتنی پرواہ رہی ہے۔ امی کی خواہش پر ہاں کہہ دی تھی"۔

"وہ تو ہے۔ چھوڑو پرے اس ٹوپک کو۔ آؤ اٹھو کھانا کھائیں"۔ فرزانہ نے اسے ہاتھ سے اٹھایا۔

دھنک کی محسوسات کچھ عجیب سی ہورہی تھیں۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی وہ چپ چپ سی تھی۔ اسے کامران سے کوئی قلبی لگاؤ نہیں تھا یہ تو طے تھا۔ اسے شادی کی کوئی خاص پرواہ تھی ایسی بھی بات نہیں تھی پھر؟ پھر کیوں اسے چپ سی لگ گئی تھی۔

تحقیر، تضحیک، توہین! یقیناً اسے یہ احساس تھا۔

اور پھر ـــــ اچانک اسکے ذہن میں کوندا سا لپکا۔ کہیں یہ فخر عالم کی کارستانی تو نہ تھی؟ اس رات بیگم جہانگیر کے یہاں ڈنر پر وہ آصف اور دھنک کو کامران سے اسکی منگنی کا ذکر کرتے سن چکا تھا۔ شاید ایسا ہی ہوا تھا۔ مگر کیوں؟

خود تو شادی کر لی تھی اب اسکی راہ میں کیوں روڑے اٹکا رہا تھا؟

اگر اس نے واقعی ایسا کیا تھا تو یہ اسکی شان کی نفی کرتا تھا۔

اور اگر اس نے یہ سب نہیں کیا تھا تو پھر کامران نے اسکی توہین کی تھی۔

وہ سوچتی چلی گئی۔

اور— اگر کامران کی یہ بات درست تھی کہ وہ تین سال کیلئے اسے پابند نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تو یہ اسکی صاف گوئی تھی۔ اور صاف گوئی اسے ہمیشہ پسند رہی تھی گو تلخ ہوتی تھی اکثر!

"کل تو پینٹنگز کی نمائش بھی دیکھنے جانا ہے۔ دیکھنا تمہاری پینٹنگ کو پرائز ملے گا"۔

فرزانہ نے اسکا دھیان بٹانے کو کہا۔

"کیا پتہ اتنی خاص تو نہیں"۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے آپے میں آ رہی تھی۔

اس نے انہی ڈیزیز کو کینوس پر اتارا تھا جو اس نے فخر عالم کے جنگل اور آس پاس میں دیکھے تھے۔

"تھوڑی دیر ریسٹ کرتے ہیں پھر چلتے ہیں ڈاکٹر ماریا کی طرف۔ ابھی آتے ہوئے کہہ رہی تھیں دونوں آنا ان کی بہن کی شادی کی مووی دیکھیں گے"۔

"لیکن تمہیں پتہ ہے مجھے ایسی موویز سے کوئی دلچسپی نہیں"۔

"نہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔ سارا وقت بس میگزین کا آفس پھر اسکی خدمت میں ادھر ادھر گھومنا اور اسائنمنٹ تیار کرنا..."۔ وہ اسکا خیال بدلنا چاہتی تھی۔

دھنک نے گہری سانس لی۔ پھر مسکرا دی مر

اب کے اسکی مسکراہٹ میں کوئی تناؤ کوئی پریشانی نہ تھی۔

"اچھا۔ تھوڑی دیر سوتے ہیں پھر چلیں گے"۔ وہ کرسی پر سے اٹھنے لگی۔ اب اسکی بات میں بھی کوئی بوجھل پن نہیں تھا۔

فرزانہ خوش ہوگئی۔ اسے تسلی ہوئی۔ ایک عرصہ سے اکٹھے رہنے سے وہ اسے بہنوں کی طرح چاہنے لگی تھی۔ اس کے دکھ میں دکھی ہو جاتی تھی اسکی خوشی میں خوش!

آج دھنک اور آصف نے جلدی جلدی آفس کا کام نمٹایا اور ٹھیک دس بجے نمائش پر آرٹ گیلری جا پہنچے۔ وہ دونوں بطور رپورٹرز گئے تھے۔ ساتھ ہی دھنک نے اپنی پینٹنگ کا حشر بھی دیکھنا تھا۔ فرزانہ ان سے پانچ دس منٹ پہلے ہی پہنچ کر وہیں ایک طرف منتظر کھڑی تھی۔

آصف تصویریں لے رہا تھا۔ دھنک مختلف لوگوں کے بنائے شاہکار دیکھتی محفوظ ہوتی نوٹ بک میں نوٹ بھی کرتی جا رہی تھی۔ فرزانہ ساتھ ساتھ تھی۔

"کتنے زندہ پھول ہیں اور اطراف کا ماحول— دل چاہتا ہے یہیں رہ جاؤ"۔ کسی نے گز بھر کے فاصلے پر کہا تھا۔

دھنک نے مڑ کر اپنے بائیں طرف دیکھا۔

اسکی پینٹنگ کے پاس کھڑی بیگم جہانگیر خان تھیں اور ساتھ — فخر عالم سفید قیمتی سوٹ میں ملبوس اپنی سحر انگیز شخصیت سے پورے ماحول کو سحر انگیز بنا رہا تھا۔

" 'دھنک'— پینٹنگ زیادہ خوبصورت ہے یا نام؟" بیگم جہانگیر نے فخر عالم کو مخاطب کیا۔

جانے کیسے فخر عالم اور دھنک کی نظریں ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف اٹھیں۔

ایک پل کو دونوں طرف قندیلیں سی جل اٹھیں اور پھر— ایک ساتھ ہی بجھ گئیں۔

"دھنک؟ پینٹنگ؟" فخر عالم نے بیگم جہانگیر کی طرف دیکھتے ہوئے خوبصورتی سے کندھے اچکائے۔ "مجھے ان چیزوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں"۔ اس نے خالص جھوٹ بولا تھا۔

"اوہ— تو پھر آئے کیسے آپ؟"

"آپ بھول رہی ہیں میں آیا نہیں لایا گیا ہوں"۔ وہ مسکرایا۔

"You — naughty boy." انہوں نے عجیب سی نظروں سے اُسکی آنکھوں میں دیکھا۔

اور — فخر عالم انکی نظریں نظرانداز کرتے ہوئے جلدی سے ایک پینٹنگ کو دیکھنے لگا۔

دھنک ایک قدم اور آگے بڑھی۔ باقی پینٹنگز دیکھنے۔

پھر جانے کیسے؟ دھنک کو اپنے بال کھنچے سے محسوس ہوئے۔ مڑ کر پیچھے دیکھا۔ فخر عالم اسی کے پیچھے کھڑا ایک پینٹنگ بغور دیکھ رہا تھا اور دھنک کے چند خوبصورت بال اسکے کوٹ کے بٹن میں الجھ کر رہ گئے تھے۔

وہ پریشان سی اپنے بالوں کو دیکھنے لگی۔

"Your Highness! آپکے بٹن میں اس لڑکی بیچاری کے بال اٹک گئے ہیں"۔

بیگم جہانگیر بڑی ادا سے کہتے ہوئے اسکے بال فخر عالم کے کوٹ کے بٹن سے الگ کرنے لگیں۔

تبھی کہیں جا کر فخر عالم کو ہوش آیا۔ ایک نظر جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی دھنک کی بڑی بڑی ہیزل آنکھوں میں جھانکا اور پھر جیسے اپنی مسکراہٹ بمشکل دباتے ہوئے اپنے بٹن اور دھنک کے بالوں کو سلجھتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"لڑکی خوبصورت تھی"۔ وہ دونوں آگے بڑھے تو بیگم جہانگیر کی آواز سنائی دی۔

"شاید"۔ فخر عالم نے لاپرواہی سے کہا۔

"مگر حضور تو بڑے غور سے اسکی آنکھوں میں جھانکے تھے"۔

"اب آنکھیں ہیں بھٹک گئی ہونگی۔ میں کیا کر سکتا ہوں"۔ وہ خوبصورتی سے مسکرا رہا تھا۔

بیگم جہانگیر کو جیسے فخر عالم کا دھنک کی آنکھوں میں ڈیکھنا اور پھر انکی بات کے جواب میں کہی گئی بات اچھی نہ لگی، چہرے پر چپ سی ابھر آئی۔

اور — دھنک سوچنے لگی کہیں آصف بیگم جہانگیر کے یہاں ڈنر پر ان دونوں کے بارے میں صحیح تو نہیں کہہ رہا تھا؟

پر — بات آج بھی یک طرفہ ہی لگ رہی تھی!

اسے حیرت بھی ہوئی۔ بیگم جہانگیر کی فخر عالم سے اس قدر بے تکلفی پر۔ پھر دونوں کی عمروں میں بھی خاصا فرق تھا!

"ہوتا ہے ہوتا ہے"۔ آصف آ پہنچا تھا۔ اور بیگم جہانگیر اور فخر عالم کو ایک ساتھ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ "زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"۔

"میں کیوں پریشان ہونگی"۔ دھنک جلدی سے بولی، دل میں چور جو تھا۔

"میرا مطلب ہے حیران ہونے کی ضرورت نہیں"۔ اس نے اپنی بات کی تصحیح کی۔

"ویسے یہ سب کیا ہے آصف"۔ وہ کچھ الجھی الجھی سی بولی۔

"مارو گولی۔ کرنے دو لوگ جو کرتے ہیں۔ ہمیں کیا۔ باقی پینٹنگز دیکھو"۔ فرزانہ کچھ بور سی ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں ہاں پینٹنگز دیکھو"۔ آصف نے جلدی سے فرزانہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

تینوں قدرے اور آگے بڑھے۔

"ہائے داوے مس قوس قزح آج تمہاری انگلی پر ڈائمنڈز کا ڈھیر نظر نہیں آرہا"۔ آصف حسب عادت اسے چھیڑنے لگا۔

"اسلئے کہ میری منگنی ٹوٹ گئی ہے اور انگوٹھی میں نے اتار دی ہے"۔

کچھ فاصلے پر کھڑے بظاہر پینٹنگ پر نظریں جمائے فخر عالم کے کان کھڑے ہو گئے۔

"دیکھو اب انکار مت کرنا پلیز! اب تو منگنی کا بہانہ بھی نہیں رہا۔ مس فرزانہ آپ ہی میری سفارش کر دیں۔ میری تو سنتی ہی نہیں"۔

"کیا؟" فرزانہ اسکے لب و لہجے پر ہنس دی۔

"کب سے میں درخواستیں دے رہا ہوں کہ مجھ غریب پر نظر کرم فرما کر مجھ سے شادی کر لے مگر یہ ہے کہ سنتی ہی نہیں"۔

"کیوں دھنک۔ کیوں نہیں سوچتی ہو اسکی پروپوزل پر"۔

"تو تم بھی اسکی سائیڈ لینے لگیں"۔ وہ اپنی نوٹ بک میں کچھ پوائنٹس نوٹ کرتے ہوئے بولی۔

"ظاہر ہے تمہارا کولیگ ہے میرا بھائی ہے"۔ اب تک وہ دھنک کے ناطے آصف کو کئی بار مل چکی تھی، بات چیت کر چکی تھی۔

اور ۔۔۔ دھنک دونوں کو خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے فخر عالم اور بیگم جہانگیر کو درمیان میں چھوڑ کر ان سے آگے بڑھ گئی۔

آصف جھٹ سے وہاں جا پہنچا۔

"ایسے کام نہیں چلے گا۔ آج فیصلہ کرنا ہوگا"۔ وہ اسکا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا چیز ہو، ہٹو آگے سے"۔

"اوں ہوں ۔۔۔ مجھے جواب چاہیئے"۔

"کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو"۔ وہ تو سچ مچ گلے پڑ گیا تھا۔

جبکہ وہ یہ بھی سمجھ رہی تھی وہ یہ سب مذاق کر رہا تھا، عام حالات میں وہ اسکی بہت عزت کرتا تھا۔

"میں تمہیں بچہ دکھائی دیتا ہوں"۔

اور جانے کیوں؟ فخر عالم نے اسے بری طرح گھورا۔

"باپ رے" آصف کنپٹی سہلاتے ہوئے دھنک کے سامنے سے ہٹ کھڑا ہوا۔

"یہ ۔۔۔ یہ جو مسٹر فخر عالم ہے۔ اسکا یا تو تم سے کوئی کنکشن ہے یا مجھ سے کوئی بیر ہے"۔ وہ نیچی آواز میں بولا۔

دھنک دھیرے سے مسکرا دی۔ ضرور فخر عالم نے نظروں ہی نظروں میں اسے تنبیہہ کی تھی۔

معاً اسے خیال آیا اسکی بیوی کہاں تھی؟ اور یہ بیگم جہانگیر کب سے اسکی چہیتی بن گئی تھیں؟

"فریدہ ابھی تک امریکہ میں ہی ہے؟" بیگم جہانگیر نے بڑا بروقت سوال کیا تھا فخر عالم سے۔

"ہاں"۔ اس نے مختصراً کہا۔

"ویسے You are great. اسکے اتنا کچھ کرنے پر بھی اسے معاف کر دیا"۔ بیگم جہانگیر بولیں۔

فخر عالم نے کچھ بھی کہے بغیر لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

تو فریدہ امریکہ میں تھی۔ جبھی فخر عالم اکیلا نظر آتا تھا!

اور ۔۔۔ اسکی غیر موجودگی میں خالی وقت ضائع نہیں کرتا تھا۔ بیگم جہانگیر کیساتھ گھومتا پھرتا تھا۔ بہر حال ۔۔۔

اسے کیا وہ کچھ بھی کرتا؟ یہ اسکا مسئلہ نہیں تھا۔ فریدہ کو واپس آ کر اپنا پرابلم سنبھالنا چاہیئے تھا۔

"دھنک، دھنک۔ مسٹر عالم اب بھی مجھے گھور رہا ہے"۔ وہ پھر دھیرے سے بولا۔

"تو میں کیا کروں"۔ اسے ہنسی آ گئی۔

"شادی کر لو مجھ سے۔ پھر یوں نہیں گھورے گا"۔

"اچھا بابا"۔

"کیا مطلب؟" وہ خوش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"شادی کرنے کو کہہ رہے ہو نا"۔

"ہاں"۔

"کر لو گی"۔

"مجھ سے"۔ اسے اندیشہ تھا اسکے ذہن میں کوئی اور نہ ہو۔

"ہاں ہاں تم سے"۔

اور فخر عالم نے پھر ایک سرسری نظر دونوں پر ڈالی۔

"بھئی میں تو جاتا ہوں ادھر سے۔ یہ مجھے چھوڑیگا نہیں"۔

اور آصف واقعی دوسری طرف نکل گیا۔

تبھی ۔۔۔ فخر عالم اسکے پاس چلا آیا۔

جانے کیوں وہ کچھ سہم سی گئی۔ آس پاس دیکھا فرزانہ بھی نہیں تھی۔ بیگم جہانگیر بھی شاید کہیں اور نکل گئی تھیں۔

"آئندہ میں تمہیں اس لڑکے کیساتھ نہ دیکھوں"۔ اسکی آنکھیں چنگاریاں اگل رہی تھیں۔

"وہ... وہ میرا کولیگ ہے"۔

"مجھے معلوم ہے۔ لیکن دوبارہ وہ تمہارے پاس بھی پھٹکا تو ٹھیک نہیں ہوگا"۔

"آپ... آپ میرے معاملات میں کیوں بولتے ہیں"۔

"میں... میں... تمہارا گلہ دبا دونگا کسی دن"۔ اس کی آواز نیچی تھی۔ مگر بلا کا غضب تھا لب و لہجے میں۔

"آپکو یہ حق کس نے دیا ہے"۔ وہ سنبھل گئی تھی، طنزیہ لہجے میں بولی۔

"میں حق لیا نہیں کرتا۔ استعمال کرتا ہوں"۔ اسکی بات میں چٹان کی سی مضبوطی تھی۔

بڑے بڑے قدم اٹھاتا وہ آگے بڑھ گیا۔

اور دھنک مفلوج سا ذہن لئے خالی خالی نظروں سے دیوار پر آویزاں تصویر کو دیکھنے لگی۔

کتنا وقت گزر گیا وہ وہیں دیوار سے لگی سوچوں میں گم کھڑی تھی۔

"دھنک مبارک ہو تمہاری پینٹنگ دوسرے نمبر پر آئی ہے۔ ایک صاحب کہہ رہے تھے۔ ڈیریز زندہ اور ماحول جیتا جاگتا لگ رہا ہے اور یہی ایک تصویر کی سب سے بڑی خوبی ہے"۔

دھنک سوچوں سے ابھر آئی۔

"سچ کہتی ہو؟"

"تو اور کیا۔ تم اس طرف تو آؤ۔ یہاں چپک کر رہ گئی ہو۔ اپنی تصویر کے چرچے تو سنو"۔

فرزانہ اور دھنک کچھ دیر اور وہاں رہیں اور پھر بمعہ آصف کے تینوں واپس لوٹ آئے۔

فرزانہ اور دھنک بس سے اور آصف اپنی بائیک پر۔

فخر عالم کیا اپنی شادی سے مطمئن نہیں تھا؟ اس کی بیوی امریکہ اور وہ یہاں تھا۔ پھر بیگم جہانگیر بھی موقع سے فائدہ اٹھاتی نظر آتی تھیں۔ مگر ـــــ

اس پر کیوں اتنا رعب ڈال رہا تھا؟ حق جتا رہا تھا؟ آصف سے کیوں اتنا جیلس تھا؟

تمام راستہ وہ یہی سوچتی آئی۔ رات بستر پر لیٹی تو بھی رات گئے تک یہی تانے بانے بنتی رہی۔

دن دھیرے دھیرے کھسک رہے تھے۔ دھوپ کی چبھن میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ لمبے لمبے دن کاٹنا دوبھر ہو گیا تھا۔

آج اس نے گلفروشوں کی طرف جانا تھا۔

آصف کسی ضروری کام میں مصروف تھا۔ اسلئے فوٹو گرافی بھی اسکے ذمے لگا رکھی تھی سو۔۔۔ وہ اکیلی ہی اس طرف چل پڑی۔

گندم کی کٹائی جاری تھی۔ کہیں کٹ چکی تھی، کہیں گٹھوں کی شکل میں پڑی تھی، کہیں اب بھی سنہری بالیاں لہرا رہی تھیں۔

بس کی کھڑکی میں سے باہر نظریں جمائے وہ چلی جا رہی تھی۔

گلفروشوں کی دکانوں سے وہ پہلے بھی اکثر گزر چکی تھی۔ یہاں پھولوں کے ڈھیر ذہن کو معطر کر دیتے تھے۔ کلیوں اور پھولوں سے بنے سہرے مہکتے تھے۔ ایک طرف گجرے اور کنگن لٹکے نظر آتے تھے۔ کئی لوگ چابکدستی سے پھول پرونے میں مصروف نظر آتے تھے۔ رنگ برنگے گلدستے بنتے تھے۔ اور یہ سب چیزیں مختلف مواقع پر استعمال ہوتی تھیں۔

وہاں پہنچی تو ۔۔۔ دکان خالی خالی سے نظر آئے۔

ایک سے دوسری اور پھر تیسری دکان میں گئی۔

"بابا۔ آج دکانیں خالی نظر آ رہی ہیں کیا بات ہے"۔ وہ وہیں بوڑھے گل فروش کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیوں بیٹی کیا چیز چاہیئے؟"

"کچھ نہیں بابا۔ میں پریس والوں کی طرف سے آئی ہوں۔ میں ایک رسالے کے دفتر

میں رپورٹر ہوں۔ آپکے اور آپکے پھولوں کے متعلق لکھنا چاہتی ہوں"۔

"اچھا اچھا"۔ وہ بہت خوش ہوا۔ "مگر بیٹی آج تو تمہیں یہاں کسی بھی دکان پر پھول نظر نہیں آئینگے"۔

"کیوں؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"شہر کے رئیس فخر عالم صاحب کی سالگرہ ہے۔ شہر کی تمام دکانوں سے پھول آرڈر پر منگوائے ہیں"۔

"اوہ"۔

اور اسے بہت کچھ یاد آیا ۔۔۔ پہاڑ پر اسکی سالگرہ، مسحور کن باتیں، سحرزدہ ماحول اور صرف وہ دونوں!

آج شاید اسکی سالگرہ زور شور سے منائی جا رہی تھی۔ شاید فریدہ واپس آ گئی تھی اور یہ اسکی خواہش پر ہو رہا تھا۔ یا پھر وہ مناتا ہی اسی طور تھا اپنی سالگرہ۔ بہر حال ۔۔۔

آج وہ پھولوں کی ان گنت دکانوں میں سے پھولوں کے ڈھیر کے ڈھیر اٹھالے گیا تھا۔

مہک رہا ہوگا اسکا ہال۔ اور ۔۔۔

اس نے سر جھٹکا۔ وہ تلخ یادوں کو یاد کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا بابا ۔۔۔ آپ مجھے پھولوں کے بارے میں کچھ بتایئے"۔ اس نے اپنی نوٹ بک کھولی۔

"بیٹی! پھول بڑے پیمانے پر ملک کے خاص حصوں مثلاً حیدرآباد وغیرہ سے آتے ہیں۔ وہاں بڑے بڑے بیوپاری اس کام سے وابستہ ہیں۔ حیدرآباد کے آس پاس اور اندرونی سندھ کے گاؤں میں پھولوں کی کاشت کی جاتی ہے۔ یہاں لمبے چوڑے علاقے پر پھیلے ہوئے فارموں پر کئی من چنبیلی، موتیا، گیندا اور دیگر قسموں کے پھولوں کی کاشت ہوتی ہے۔ یہ پھول صرف زیورات کیلئے ہی نہیں بلکہ انہیں خوشبویات، عطریات بنانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ملک سے باہر بھی بھیجا جاتا ہے۔ اس استعمال کے بعد جو پھول بچ جاتے ہیں انہیں

ٹھیکیدار کو بیچ دیا جاتا ہے۔ پھر یہ ٹھیکیداران پھولوں کو مقامی گلفروشوں کو بیچ دیتے ہیں"۔

"بابا آپ نے کب سے یہ کام شروع کیا ہے؟"

"بیٹی میں گلفروشی کے اس کاروبار میں تیسری نسل ہوں۔ میرے باپ دادا بھی پھول بیچتے تھے۔ پھولوں کے زیور بنانے کا فن مجھے ورثے میں ملا ہے"۔

کچھ اور بھی پوائنٹس لیکر اس نے بوڑھے گلفروش اور اسکی خالی ہی دکان کی تصویریں بھی اتاریں اور پھر —

اس سے اجازت طلب کرتے ہوئے گھر لوٹ آئی۔

فرزانہ کیساتھ کھانا کھاتے ہوئے آج ایک بار پھر وہ اداس تھی۔ ابھی اسکی آزمائش کا سلسلہ جاری تھا۔ بھول کیوں نہیں پاتی تھی اسے؟

لیکن — وہ تو کوشش کرتی تھی۔ فخر عالم یا اسکا ذکر ہی آنکلتا تھا کہیں نہ کہیں سے۔

اچانک اسکا دل چاہا نکل بھاگے یہاں سے۔

دور جہاں نہ فخر عالم ہو نہ اسکا ذکر!

پر — کہاں؟

اپنا پروفیشن بھی تو اسے عزیز تھا!

گھر والوں کی ہزار مخالفتوں کے باوجود وہ اس لائین میں آئی تھی۔ کیا پتہ تھا حالات یوں کروٹ بدلیں گے۔ وہ زندگی تک سے اکتا جائیگی۔

کیا باہر نکلنا ہی چھوڑ دے؟ مگر کب تک؟ اور پھر آفس سے نکل کر جس بس سٹاپ پر وہ بس کا انتظار کرتی تھی پہلے نہ سہی اب تو وہ اکثر و بیشتر اسی طرف سے گزرنے لگا تھا۔ اور اگر وہ ایسا نہ بھی کرتا تو آصف کیا کم تھا اسکا تذکرہ لے بیٹھنے کیلئے!

آج وہ آفس میں بھی گم سم تھی۔ کہ زندگی جیسے عذاب بن کر رہ گئی تھی، جینا دوبھر ہو گیا تھا!

سارے دن کی جھک جھک کے بعد جب وہ تھکے تھکے قدموں سے فلیٹ کے اندر گھسے

تھی تو نظر امی کے خط پر پڑی۔ اٹھا کر وہ ساتھ اندر لے گئی۔ فرزانہ آچکی تھی۔ کھانا گرم کر رہی تھی۔ اس نے بھی کپڑے بدلے اور خط لے کر کھانے کی میز پر آبیٹھی۔ خط کھولا۔

وہی ہر سال کی طرح چند دن کی چھٹی لیکر پہاڑ پر آجانے کی دعوت!

دل ٹھنڈ، ہریالی اور سرسبز پہاڑوں کیساتھ اچھا تو ضرور مگر — پھر وہی فخر عالم سے مڈبھیڑ کا خدشہ!

اور کھانے کے بعد اس نے امی کو لکھ دیا وہ اس شرط پر جائیگی کہ اس بار وہ پہاڑ کے کسی اور گاؤں جا کر قیام کریں۔ بہت دیکھ چکے تھے اس گاؤں کو۔

امی ابو کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ وہ نہ سہی پاس والا گاؤں سہی۔ ماحول تو وہ ہی تھا۔

فوراً نیلم کا جواب آپہنچا۔ امی کو اسکی شرط منظور تھی۔

اس نے بھی دس دن کی چھٹی کی درخواست دے ڈالی۔ کہ شاید یوں ہی کچھ من بہل جائے۔ اس ماحول سے دور رہ کر۔ اس شام و سحر سے پرے جا کر!

یہ جگہ اس گاؤں سے پانچ میل کی دوری پر تھی۔ قدرے بڑا قصبہ تھا۔ ڈسپنسری، پبلک کال آفس اور اچھی قسم کے دو ایک ہوٹل بھی تھے۔ بل کھاتی سڑک پر آتی جاتی گاڑیاں، بازار قدرے بڑا اور ضرورت کی ہر چیز میسر تھی۔ ٹورسٹ بھی اسی نسبت سے زیادہ تھے اور رونق بھی۔

انہوں نے ایک اچھا سا سوئٹ اوپر اونچائی پر پورے سیزن کیلئے لے لیا تھا۔

خوشی خوشی سامان لگایا ـــ تب تک امی کھانا تیار کر چکی تھیں۔ کھانا کھا کر نیلم اور دھنک دونوں باہر برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھ کر چاروں اطراف کا نظارہ کرنے لگیں۔

"باجی۔ یہ جگہ واقعی اس سے اچھی ہے"۔ نیلم شال اچھی طرح کندھوں پر لپیٹتے ہوئے بولی۔

"اسی لئے تو میں نے لکھا تھا۔ بس ایک ہی جگہ بار بار جاؤ بور ہو جاتا ہے بندہ"۔ جبکہ ـــ وہ چھوٹا سا گاؤں اسے اب نہیں برسوں سے پیارا تھا۔ نہ زیادہ ٹورسٹس کا شور، نہ سڑک پر گاڑیوں کے دھوئیں، اور پھر بڑے ہوٹل نہیں بھی تھے تو کام چل سکتا تھا۔ بھلے پبلک کال آفس نہ تھی۔ ایک خستہ حال ٹیلیفون ایکس چینج تو تھا۔ سب سے بڑھ کر ایک سکون تھا ـــ گہرا سکون!

مگر ـــ اسکی قسمت میں سکون کہاں تھا؟

اب تو وہ ہفتہ بھر اس قصبے میں چینج ڈھونڈنے آئی تھی۔ ٹھنڈ تو تھی کم از کم۔ شہر کی طرح جھلسا دینے والی گرمی تو نہ تھی۔

دن اچھے بھلے گزر رہے تھے۔ وہ اپنے آپکو نیلم امی اور ابو کیساتھ مصروف رکھتی۔ کبھی کھانا پکاتی کبھی دوسرے کاموں میں ہاتھ بٹاتی کبھی سب کیساتھ پکنک پر نکل جاتی۔

آج بھی وہ میل بھر پر پکنک منانے گئے تھے۔ سڑک کے کنارے گاڑی لگا کر وہ لوگ کھانے پینے کی چیزیں اٹھا کر اوپر درختوں کے جھنڈ میں جا بیٹھے تھے۔

کچھ دیر کارڈز وغیرہ کھیلتے رہے۔ پھر پچھلی جانب ڈھلان، کھائی اور کھائی میں بھری کہر کا نظارہ کرتے رہے۔ تصاویر اتاریں۔

پھر واپس آ کر کھانا کھانے لگے۔ کہ وقت بھی تھا اور کھانا ٹھنڈا ہو جانے کا خدشہ بھی!

مٹر پلاؤ، بھنا قیمہ اور پراٹھے۔ مزا آ گیا!

کھانے کے بعد سب نے تھرمس سے گرم گرم چائے پیالیوں میں لی۔ امی ابو تو ایک طرف جا کر بیٹھ گئے، نیلم اور دھنک عین سڑک کے اوپر آمنے سامنے درختوں سے ٹیک لگا کر ٹانگیں سیدھی پھیلاتے ہوئے بیٹھ گئیں تا کہ سڑک کیساتھ ساتھ سڑک کے اس پار ڈھلان پر یہاں وہاں بنے مقامی لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گھروندے اور انکا رہن سہن بھی دیکھ سکیں۔

ڈھلان پر نظریں جمائے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پی رہی تھی۔ تبھی سامنے والے موڑ پر ہلکے سے ہارن سے محویت ٹوٹی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس طرف دیکھنے لگی۔

موڑ کاٹتے ہوئے ایک جیپ سامنے آئی اور ـــ جس شخص سے فرار ڈھونڈتی وہ یہاں تک آئی تھی۔ وہ آہستہ رفتار سے جیپ چلاتا چلا آ رہا تھا۔

پھر دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر صرف وہ ہی نہیں جیسے وہ بھی بے قرار ہوا تھا۔ پرکشش چہرے پر سائے سے لہرائے تھے۔ دلنشیں آنکھیں گھائل سی لگنے لگی تھیں۔ اور پھر جیسے ـــ بے قراری کی جگہ غصہ نے لے لی۔ چہرے کے سایوں کی جگہ بیزاری نظر آنے لگی۔ گھائل آنکھوں میں وحشت اترنے لگی۔

کیوں تھا ایسا؟ کیا وہ ابھی تک فریدہ سے ایڈجسٹ نہیں کر پایا تھا؟

وہ اب بھی جیسے اسے چاہتا تھا۔ اسکا پہلا انداز یہی کہہ رہا تھا۔ بعد میں ان جذبوں کی جگہ غصے اور وحشت نے لے لی تھی۔ جیسے اس پر غصہ آ رہا ہو۔ بہر حال ـــ

"باجی۔ یہ آدمی جانتا تھا آپکو؟" نیلم کو ایسا ہی لگا۔

"معلوم نہیں۔ ہوسکتا ہے جانتا ہو۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی شخص کو جانتے ہیں اس نے ہمیں دیکھا تک نہیں ہوتا۔ اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ شخص تو ہمیں اچھی طرح جانتا ہے ہم ہی ناواقف ہوتے ہیں۔ صحافت کا پروفیشن ہی ایسا ہے۔" اس نے بات بنائی۔

"ہاں یہ تو ہے۔" نیلم خالی کپ ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔

اور ___ دھنک نے سوچا یہاں سے وہ کہاں چلی جائے؟

دوپہر کو قدرے آرام کرنے کے بعد وہ اٹھی منہ ہاتھ دھو کر امی کی طرف آئی تو دیکھا آنٹی نور جہاں آئی بیٹھی تھیں۔ فخر عالم کی دریا پار پڑوسن!

"بڑا ہی نیک شخص ہے۔ اتنے جنگلات اتنی املاک ہیں کہ گنتے تھک جاؤ مگر ذرا بھی جو غرور ذرا بھی جو بڑائی ہو اس آدمی میں۔"

جانے کس کی بات کررہی تھیں وہ؟

"السلام علیکم آنٹی۔" وہ اندر داخل ہو کر انہیں گلے ملی۔

"جیتی رہو بیٹی۔" انہوں نے اسے ماتھے پر پیار کیا۔ "خوش رہو آؤ بیٹھو۔"

وہ انکے قریب بیٹھ گئی۔

"کس کی باتیں ہورہی تھیں؟" اس نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"ارے وہ ہمارے مشرقی طرف والے سیٹھ کی۔ انکے مالی کی بیٹی میرے سکول میں داخل ہوئی ہے۔ بہت تعریف کرتی ہے۔ اس وقت بات سے بات نکلی تو زبان پر ذکر آگیا۔ تمہاری امی نے کامران کی بات بتائی تو خیال آیا ہر بڑا آدمی ایک جیسا نہیں ہوتا۔ بعض دولت والے چھچھورے ہوتے ہیں اور بعض اعلیٰ ظرف کے حامل۔"

اور ___ دھنک سوچنے لگی۔ یہ آدمی ہم میں سے ہر ایک کے حواس پر کیوں چھا گیا ہے؟

اسکی کنپٹیاں جلنے سی لگیں۔ سر کے اندر جیسے شور سا ہونے لگا۔

اور پھر اس نے وہیں کونے میں بستر پر لیٹ کر سر کے اندر کی ہلچل کم کرنے اسے

بانہوں میں لے لیا۔

"کل دوپہر کا کھانا تم نے میرے ساتھ کھانا ہے۔" آنٹی نور جہان کی آواز اسکے کانوں میں پڑی۔

اس نے سر اور بھی بانہوں میں بھینچ لیا۔ امی نے یقیناً حامی بھر لینی تھی اور وہ ___ فخر عالم کے اس قدر قریب نہ جاسکتی تھی۔ اس علاقے میں قدم قدم پر اسے وہ ہی نظر آتا تھا۔ بھول جانا چاہتی تھی وہ اسے۔ بھاگ جانا چاہتی تھی کہیں ___ ایسی جگہ۔ جہاں نہ فخر عالم ہو نہ اسکی موجودگی کی توقع اور نہ ہی اسکا ذکر!

"کھانے کا تکلف کیوں کرتی ہو ویسے بھی آئینگے۔ کوئی غیر تو ہیں نہیں ہم۔" امی کی آواز جیسے دور سے آرہی تھی۔

"تم بھی ضرور آنا بیٹی۔ یہ لوگ تو آہی جاتے ہیں تمہارا ہاتھ لگنا مشکل ہوتا ہے۔" وہ یقیناً اس سے مخاطب تھیں۔

اس نے بانہیں کھول لیں۔ سر میں اب بھی ہلچل تھی۔ چہرہ کمہلایا کمہلایا۔

تھکی تھکی نظریں اٹھا کر وہ آنٹی کی طرف دیکھنے لگی۔

"آنٹی۔ آپ میری طرف سے معذرت قبول کرلیں۔ میں پھر کبھی آؤنگی۔" اسکا لہجہ بھی تھکا ہارا تھا۔

"تو پھر پہاڑ پر آؤ گی اور پھر میرے یہاں آؤ گی۔ یعنی پورے ایک سال بعد۔ نا بابا۔ کل ہی آنا پڑیگا۔ ویسے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" وہ خود ہی اپنے آگے میز پر لگی چائے اس کیلئے پیالی میں نکالنے لگیں۔ "لو گرم گرم پی لو۔ طبیعت ٹھیک ہوجائیگی۔ اور ہاں۔ آنا ضرور ہے۔ میں انتظار کرونگی۔"

اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے حامی بھرنا پڑی۔ اسکے دل میں آنٹی نور جہان کیلئے خاص جگہ تھی۔ زیادہ انکار کی گنجائش نہ بنا پائی۔

رات بھر وہ کروٹ پر کروٹ بدلتی رہی۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ جسم میں سخت درد۔ شاید اسے بخار ہو گیا تھا۔

جوں توں کر کے صبح ہوئی۔ اسکی نبض تیز تھی۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ غالباً ٹھنڈ لگ گئی تھی۔ اٹھتے ہوئے وہ باتھ روم گئی۔ منہ ہاتھ دھوئے۔ کچن میں گئی۔ سب میز کے گرد بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

اس نے بھی گرم چائے کا کپ لیا۔

"ناشتہ کیوں نہیں کرتیں بیٹا"۔ امی بولیں۔

"امی سر میں بہت درد ہے۔ ناشتے کو دل نہیں کر رہا"۔

"کیا بات ہے بیٹا۔ ٹھیک تو ہو نا"۔ ابو نے اسکے کمہلائے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ ساتھ ہی اسکی نبض تھام لی۔ "تمہیں تو بخار ہے"۔ وہ تشویش سے بولے۔

"ہاں لگتا ہے ابو مگر ٹھیک ہو جائیگا۔ مجھے لگتا ہے ٹھنڈ لگ گئی ہے"۔ اسکا لب ولہجہ بھی تھکا تھکا سا تھا۔

"ناشتے میں کچھ لے لو اور بخار کی گولیاں کھالو"۔ ابو نے کہا۔

"جی اچھا ابو"۔

دل نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے لائیٹ سا ناشتہ کیا۔ گولیاں لیں۔ سب کیساتھ بیٹھنے کی کوشش کی۔ مگر سخت تھکی تھکی سی تھی۔ دوبارہ آ کر بستر میں لیٹ گئی۔

بارہ بجے امی ابو اور نیلم آنٹی نور جہان کے یہاں جانے کیلئے تیار ہو رہے تھے۔

امی اسکے پاس آئیں۔ اسکا ماتھا چھوا اب بھی گرم ہو رہا تھا۔ اسکی سانسیں تیز چل رہی تھیں۔

"بیٹے تم نہیں جاؤ ہمارے ساتھ۔ ابھی بھی بخار ہے۔ ماتھا تپ رہا ہے۔ چلی گئیں تو اور طبیعت خراب ہوگی۔ ہم بس جلدی ہی آ جائینگے۔ اب وعدہ کیا ہے تو برا لگتا ہے۔ تمہاری طرف سے معذرت کر لونگی۔ اور ہاں تمہیں ٹھنڈ ہی لگی ہے..."۔

وہ آگے بڑھ کر الماری میں دوائی تلاش کرنے لگیں۔ پھر کچن سے گرم دودھ گلاس میں لائیں۔

"اٹھو بیٹا"۔ انہوں نے اسے سہارا دیا۔ "یہ کھالو۔ صرف بخار اتارنیوالی دوا سے میرا خیال نہیں کہ تم ٹھیک ہو جاؤ یہ بھی ساتھ لے لو"۔ انہوں نے اسے ایک کیپسول کھلا دیا۔

اتنے بچوں کو پالا پوسا بڑا کیا تھا۔ چند ضروری اور فوری طور پر دینے والی دواؤں کا استعمال تو وہ بھی جانتی تھیں۔

اسے لحاف اچھی طرح اوڑھا کر کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے وہ باہر نکلنے لگیں۔

"بس کھانا کھاتے ہی چل پڑینگے"۔ امی فکرمندی بولیں۔

"امی آپ فکر مت کریں۔ ٹھنڈ ہی تو لگی ہے۔ دوائی سے ٹھیک ہو جائیگا سب"۔ اس نے امی کو تسلی دی۔

کچھ دیر یوں ہی بستر میں گھسی رہی۔ بخار پھر سے چڑھنے لگا تھا۔ اٹھ کر اس نے ایک بار پھر گولیاں لیں۔ پھر بستر میں لیٹی۔

تبھی تھوڑی دیر بعد اسے پسینہ آنے لگا۔ طبیعت ہلکی محسوس ہونے لگی۔

اٹھ آئی بستر سے۔ الجھن ہو رہی تھی پڑے پڑے۔

منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ سرسری سے بال درست کئے، ملگجے کپڑوں پر ایک نظر ڈالی اور تھکی تھکی سی کمرے سے باہر نکل آئی۔

برآمدے میں سے سامنے دیکھا سرسبز ڈھلان، پھر سڑک، اور سڑک کے کنارے دکانیں، لوگوں کی گہما گہمی۔

ڈھلان کی پگڈنڈی پر دھیرے دھیرے چلتی وہ نیچے اتر گئی۔ اپنی رو میں وہ گہما گہمی سے

مخالف سمت چل دی۔

ابھی تھوڑی ہی دور گئی تھی۔ کہ ٹپ ٹپ بوندیں پڑنے لگیں۔ اسے احساس ہوا یوں بخار کی حالت میں یہاں تک آ کر اس نے اچھا نہیں کیا۔ اور پھر اوپر سے بارش چند لمحوں میں ہی تیز شکل اختیار کر گئی تھی۔

تبھی وہ چونکی کسی نے جیپ اسکے قریب روکی تھی۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے بارش سے بچانے کی خاطر اندر آنے کو کہہ رہا تھا۔

"آؤ۔ بھیگ رہی ہو۔ میں پہنچا دونگا"۔ خلاف توقع اور جیسے مدتوں بعد اس میں اسے پرانا فخر عالم نظر آیا۔

"تھینک یو۔ میں چلی جاؤں گی"۔ بخار کی حدت سے اس کی شربتی آنکھوں میں سرخ ڈورے بہت واضح ہو رہے تھے۔ اور خود وہ نڈھال سی لگ رہی تھی۔

اسکی حالت دیکھ کر فخر عالم کو پہلے کی طرح غصہ نہیں آیا۔

"آؤ۔ تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں لگ رہی"۔

اس نرم رویے پر جانے کیسے وہ مزید انکار نہ کر سکی۔ اور شاید یہ بھی تھا کہ بخار ہونے کی وجہ سے وہ اپنے میں اتنی بارش میں گھر پہنچنے کی ہمت بھی نہیں پا رہی تھی۔

کچھ کہے بغیر ہی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ فخر عالم نے دروازہ بند کر دیا۔

گاڑی واپس موڑ کر سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کرنے لگا۔ اسے شاید معلوم تھا کہ وہ لوگ مخالف سمت میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

"کیسی ہو؟" وہ اب بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ عرصے بعد نرمی برت رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں"۔ دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے نقاہت سے سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا۔

"Looks to me like you have fever."۔ ایک نظر اسکے بھیگے کپڑوں پر ڈالتے ہوئے وہ پھر سامنے دیکھنے لگا۔

"ہاں"۔ وہ تھکی تھکی سی بولی۔

"تو پھر اتنی بارش میں گھومنے کا شوق کیوں چرایا"۔

اسکے لب و لہجے میں اسکے لئے کیئر تھی، Concern تھا۔

صدیوں بعد جیسے اسکی باتیں اسکے کانوں میں رس گھول رہی تھیں۔

"بستر میں پڑے پڑے طبیعت گھبرانے لگی تھی"۔

"کب سے بخار ہے"۔ اس نے بلا جھجک اسکی نبض دیکھنے اسکا ہاتھ تھام لیا۔

دھنک نے دھیرے سے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ کہ یہ رشتہ اب اسکا فریدہ کیساتھ ہونا چاہیئے تھا۔

"شاید کل سے"۔ وہ مختصراً بولی۔

"اس بار یہاں کیوں ٹھہرے ہو؟" پہلے جو اسکی اسٹیٹ کے پاس والے گاؤں میں آ کر قیام کیا کرتے تھے۔

"بس"۔ اسکے لہجے میں اداسی عود کر آئی۔

"کتنے دن کیلئے آئے ہو"۔

"امی ابو پورا سیزن گزاریں گے میں دو دن بعد چلی جاؤں گی"۔

"اگر تمہارا بخار اترا تو"۔ وہ خوشگوار لہجے میں بولے جا رہا تھا۔

وہ مسکرا دی۔

"نہ بھی اترا تو"۔

"کیوں؟"

"ڈیوٹی ڈیوٹی ہے"۔

"Oh, I see..."

گھر قریب آ چکا تھا۔

"تھینک یو ویری مچ"۔ وہ اترنے لگی۔

"Take care of your self." وہ دھیرے سے بولا۔

اور ۔۔۔ دھنک نے سوچا اُسے کیوں اب بھی اسکا خیال تھا؟ پرواہ تھی؟

کاش ایسا نہ ہوتا۔ پھر شاید وہ بھی اس کیلئے اتنی بے قرار نہ رہتی۔

بات شاید دونوں طرف اسی طرح تازہ تھی جیسے کچھ عرصہ قبل تھی۔ جبھی تو باوجود کوشش کے وہ اسے بھول نہیں پا رہی تھی۔

آج وہ معمول سے ہٹ کر اس سے نرمی سے خوشگواری سے پیش آیا تھا۔ اور اسکا یہی رویہ ساری رات بخار کیساتھ ساتھ اسے مزید تڑپاتا رہا۔

کل اس نے واپس جانا تھا۔ اسکا بخار اب بھی ٹوٹا نہیں تھا۔ کمزوری اب بھی اپنی جگہ تھی۔

مگر ڈیوٹی بھی ڈیوٹی تھی۔ کام کا حرج ہو رہا تھا۔

ہاں اس وقت بخار کیلئے دوا لینے سے فرق ضرور آ گیا تھا۔ جسم ہلکا اور طبیعت کا بوجھل پن جاتا رہا تھا۔

دن کے دس بج چکے تھے۔ اس نے بلو پرنٹڈ پیارے سے کپڑے پہنے۔ آف وائیٹ جیکٹ اور سفید جوگرز پہنے خوبصورت بالوں پر برش کیا اور ۔۔۔

گھر کے سامنے والی سرسبز ڈھلان کی پگڈنڈی پر نیچے اترنے لگی۔

"امی میں ذرا اپنے آفس فون کرنے جا رہی ہوں"۔

امی وہیں ڈھلان پر گھاس پر رکھی کرسی پر بیٹھیں دوپہر کھانے کیلئے سبزی کاٹ رہی تھیں۔

"جاؤ بیٹا"۔ وہ اسکے حسین سراپے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولیں۔ بخار نے اسے کافی کمزور کر دیا تھا۔

وہ پبلک کال آفس میں ڈیوٹی پر بیٹھے آپریٹر کو اپنے آفس کا نمبر دیکر ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"اے بی بی! قوس قزح ہی ہو نا"۔

جانی پہچانی سی آواز کان میں پڑی تو وہ چونک اٹھی۔

بھلا اسے دھنک سے قوس قزح بنا دیا تھا۔ یہ تھیں وہی فخر عالم کی ماما۔ پاس کھڑیں چشمہ درست کرتیں اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

پہلی بار انہیں ہل سٹیشن پر دیکھا تھا۔

"ماما آپ"۔ وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں بچی میں"۔ ہاتھ میں پکڑی ٹوکری نیچے فرش پر رکھتے ہوئے وہ اسے گلے لگا کر بار بار اسکا ماتھا چوم رہی تھیں۔

"ارے کہاں رہ گئی تھیں۔ کہاں کہاں تمہیں چپکے چپکے ڈھونڈتی رہی۔ خدایا شکر ہے تیرا میری بچی مجھے مل گئی"۔ وہ آنکھوں میں آئے آنسو پلو سے پونچھنے لگیں۔

"ماما بیٹھیں پلیز!" اس نے انہیں وہیں ایک کرسی پر بٹھایا۔ "آپ ٹھیک تو رہیں اتنا عرصہ۔ یہاں آپکو پہلی بار دیکھا ہے۔ کیسے آنا ہوا آپ تو وہیں شہر والی کوٹھی میں ہوا کرتی تھیں..."

"ٹھیک ہی رہی بیٹا۔ اور یہاں تو اسلئے آئی ہوں کہ قمر عالم اکیلا ہوتا ہے۔ کیسا دکھی ہے میرا بچہ اکیلا نہ دیکھ سکی۔ ضد کر کے ساتھ چلی آئی۔ اب تو جہاں وہ ہوگا وہاں میں ہونگی بس..."۔

"میڈم بات کریں۔ رنگ جا رہی ہے"۔ آپریٹر دھنک سے مخاطب ہوا۔

"بات کر کے ابھی آئی ماما"۔ وہ اس طرف بڑھی۔

تھوڑی ہی دیر میں بات کر کے وہ دوبارہ انکے پاس آ گئی۔

"آئیں ماما کہیں چلتے ہیں۔ آپ اپنا کام بھی کرلیں گی اور باتیں بھی ہوتی رہیں گی"۔

"ہاں ہاں"۔ انہوں نے جلدی سے ٹوکری اٹھالی۔

دھنک نے انہیں سیڑھی اترنے میں مدد دی۔

"زیادہ کام نہیں ہے بس کچھ اخروٹ لینے تھے۔ بہت اچھا ہوتا ہے اسکا تیل۔ مالش کرونگی اپنے بیٹے کے سر میں۔ پریشانیاں مارے دے رہی ہیں دشمنوں کو۔ دو ایک دن سے تو اور بھی باؤلا ہو رہا ہے۔ کھانا برائے نام رہ گیا ہے۔ کہتا ہے تھوڑا کھانا اچھا ہوتا ہے۔ فٹ رہتا ہے بندہ۔ پتہ ہے مجھے سب مجھے بہلانے کو کہتا ہے..."۔

وہ انکے ساتھ دکان میں گئی۔ انہوں نے ڈھیر سارے کچے تازہ تازہ اخروٹ خریدے اسکے بعد دونوں آگے بڑھ گئیں۔

"بچی۔ قمر عالم بہت اکیلا ہے۔ اسے اپنا لو۔ اسکے دکھ بانٹ لو..."

"ماما فریدہ امریکہ سے واپس کیوں نہیں آ جاتیں؟"

"ارے گم کرو اسے۔ گند جتنا دور رہے اتنا اچھا ہے"۔

"مگر وہ قمر عالم صاحب کی بیوی تو ہیں نا..."

"کیا؟" وہ وہیں بیچ راستے میں رک گئیں۔ "کیا مطلب؟"

"ماما آپ کہتی ہیں میں انہیں اپنا لوں... تو... ایک بیوی کی موجودگی میں یہ سب کیسے ممکن ہے؟"

"ارے بچی کاہے کی بیوی؟ اسکی شادی ہی کب ہوئی ہے؟"

"کیا؟"

"یہ ضرور ہے کہ ساری باتیں فریدہ پر ثابت ہو گئی تھیں اس نے ایک ایک بات کا اقرار کر لیا تھا۔ گاڑی کے بریک اسی نے فیل کروائے تھے۔ اسی طرح سکیٹنگ میں دھکا بھی اسی نے کسی آدمی سے دلوایا تھا۔ یہی بات دوائی میں بھی ثابت ہو گئی تھی مگر قمر عالم نے اسکی ہر بات معاف کر دی۔ کہتا تھا کچھ بھی ہو خالہ زاد ہے اور پھر جگہ جگہ باتوں کے چرچے ہو گئے۔ ہاں شادی سے صاف انکار کر دیا"۔

دھنک ششدر سی کھڑی سن رہی تھی۔

"لیکن۔ وہ تو ہمارے گھر آئی تھی اتنی دور ــــ یہ بتانے کہ میں انکی شادی میں رکاوٹ بن رہی ہوں ورنہ کبھی کی ان دونوں کی شادی ہو چکی ہوتی اور یہ بھی کہ اگلے ہفتے انکی شادی ہو رہی ہے..."

"سب جھوٹ بولا ہے۔ کوشش میں ضرور لگی تھی کہ ہو جائے رخصتی مگر ــــ جب گولیوں کی رپورٹ آ گئی اور ثابت ہو گیا کہ زہریلی تھیں۔ سب ختم ہو گیا۔

زہریلی گولیوں اور باقی سب باتوں کے اقرار کے بعد دن رات رو رو کر قمر عالم سے معافیاں مانگی تھی۔ رخصتی کا کہتی تھی۔ قمر عالم سخت پریشان تھا۔ یہ انہی دنوں تمہارے گھر گئی

ہوگی۔ تمہیں اپنے راستے سے ہٹ جانے کو کہا ہوگا۔
بہر حال — فخر عالم نے اس سے دو ٹوک بات کر لی۔ طلاق بھی دیدی۔
کہا میری طرف سے آزاد ہو۔ جس سے چاہو شادی کر سکتی ہو۔
پھر وہ امریکہ چلی گئی۔ اب سنا ہے وہیں اپنے ایک پرانے بوائے فرینڈ سے شادی کر لی ہے...." بائے فرینڈ سے یقیناً ماما کی مراد بوائے فرینڈ تھا۔
"ماما"۔ وہ پہلے ہی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نڈھال تھی۔ اوپر سے اتنے عجیب و غریب انکشافات۔ "آئیں یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔ بخار ہے مجھے"۔
"ہاں بیٹی رنگ سفید پڑا ہوا ہے۔ بیٹھ جاتے ہیں پہلے کیوں نہیں بتایا"۔
دونوں چند قدم سڑک کے اوپر چڑھ کر گھاس پر بیٹھ گئیں۔ دھنک نے قریبی درخت سے پشت ٹکالی۔
پھر ماما نے اسے شروع سے لیکر آج تک کی ساری باتیں بتا ڈالیں۔ اور یہ بھی کہ فخر عالم کے منع کرنے کے باوجود وہ جگہ جگہ اسے چھپ چھپ کر ڈھونڈتی رہیں۔
"فخر عالم کہتا تھا تم اس سے بات کرنے سے کتراتی تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ اس سے ملو۔ سو وہ بھی اب تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ ایک دو بار میں نے دبے لفظوں میں تمہارا پتہ فون نمبر وغیرہ پوچھا بھی مگر تمہیں اسکا غصہ معلوم ہے — پھر میں اپنے طور تمہیں ادھر ادھر ڈھونڈتی رہی.... اور بیٹی! یہ کامران سے تمہاری منگنی کا کیا قصہ ہے؟" ماما کو جیسے اچانک خیال آیا۔ "ایک رات فخر عالم بیگم جہانگیر کے یہاں ڈنر سے واپس آیا تو جیسے پاگل ہو رہا تھا غصے سے۔ آتے ہی کامران کو فون کیا۔ برس پڑا اس پر۔ گالیاں تک دے ڈالیں۔ بعد میں اس بچارے نے مجھے فون پر کہا۔ کہ اسے کیا معلوم تھا کہ فخر عالم اس میں دلچسپی لیتا ہے۔ ورنہ وہ کیوں اسکا رشتہ مانگتا..."
دھنک دھیرے سے مسکرا دی۔ تو اسکا اندازہ صحیح نکلا تھا!
"اچھا بیٹی بتاؤ تم کیوں فخر عالم سے دور چلی گئی تھیں؟"

"ماما۔ جب میں آخری بار آپ لوگوں کے یہاں آئی تھی۔ اور وہ دوائی والی بات ہوئی تھی۔ اسکے بعد جب میں اپنے فلیٹ پر گئی۔ تمام حالات کا بغور جائزہ لیا۔ تو میں گھبرا گئی۔ مجھے فخر عالم صاحب سے مزید تعلق رکھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن سا لگنے لگا۔ انکا نکاح ہو چکا۔ فریدہ قانوناً انکی بیوی تھی۔ پھر مجھے لگا۔ کچھ ہاتھ فخر عالم صاحب کا اسکو ناپسند کرنے میں یہ بھی تھا۔ میں ان دونوں کے بیچ آ گئی تھی۔ یہ سوچکر مجھے اپنا آپ مجرم سا لگنے لگا۔ اور پھر اچانک —
ایسے لگا جیسے میرے اردگرد جال سے بن دیئے گئے تھے۔ اور میں ان میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ اپنا راستہ کھو بیٹھی تھی۔
فخر عالم صاحب شادی شدہ تھے۔ انکے گھریلو مسائل بہت الجھے ہوئے تھے۔ پھر ایک طرف فریدہ تھی۔ انکے فکر کی بھی۔ دوسری طرف میں، ایک مڈل کلاس لڑکی — ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔
یہی سب سوچ کر میں نے چھٹی لے لی۔ گھر چلی گئی۔
یہاں مجھے اپنے اور فخر عالم صاحب کے درمیان اور بھی فاصلے لمبے نظر آنے لگے۔ اتنے — کہ جنہیں عبور کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔
میں مانتی ہوں میں انہیں بہت مشکل وقت میں چھوڑ کر گئی تھی۔ مجھے اپنا آپ خود غرض بھی لگتا تھا مگر — ان حالات کا سامنا کرنا بھی مجھے ناممکن نظر آ رہا تھا۔
انکا نکاح نہ ہوا ہوتا۔ تب بھی کوئی بات تھی۔ تب میں شاید ہر مشکل کا مقابلہ کر لیتی۔ لیکن فریدہ پہلے سے انکی منکوحہ تھی۔ یہ سوچ کر مجھے اپنا آپ اور بھی خود غرض لگنے لگا۔ بس — میں فخر عالم صاحب کو بتائے بغیر ہی گھر چلی گئی۔ انہوں نے وہاں فون کیا۔ تو میں نے امی کو فون کرنے سے منع کر دیا۔ پھر انکا خط آیا۔ میں نے اسکا بھی کوئی جواب نہیں دیا...."
اسکی خوبصورت آنکھیں نم ہونے لگیں۔
"ماما میں نے بڑی مشکل سے دل کو سمجھایا تھا.... کہ اتنے میں فریدہ آ گئی۔ بولی۔ تم

ہمارے درمیان نہ آتیں تو کب کی ہماری شادی ہو چکی ہوتی۔ تم فخر عالم کی دولت کے پیچھے گئی ہو۔ جلد ہی ہماری شادی ہونے والی ہے...'

پھر اسی شام ایکبار پھر فخر عالم صاحب کا فون آیا۔ پتہ نہیں کیوں انکی باتوں سے مجھے لگا وہ بھی آخری فیصلہ کرنا چاہتے تھے جیسے۔ رسم پوری کرنا چاہتے تھے محض!

واپس آئی تو اپنے کولیگ نے بھی بتایا کہ فخر عالم صاحب نے اپنی کزن سے شادی کر لی ہے۔

بعد میں فخر عالم صاحب اکثر و بیشتر نظر آئے۔ اکا دکا بات بھی ہوئی۔ وہ اکثر غصے میں ہوتے۔ مجھے حیرت بھی ہوتی کہ اب تو انکی شادی ہو چکی تھی انہیں خوش و خرم ہونا چاہیے تھا بجائے اس کے کہ مجھ پر برس پڑتے"۔ وہ قدرے رکیں دم لیا۔ "پھر ہمیشہ اکیلے ہوتے۔ یہ بھی عجیب لگتا۔ مگر پینٹنگ کی ایک نمائش پر ان کیساتھ بیگم جہانگیر کی باتوں سے پتہ چلا فریدہ امریکہ میں ہے۔ خیال آیا شادی کے بعد گئی ہے...

دیر تک وہ اور ماما باتیں کرتی رہیں۔ ہر بات شیشے کی طرح صاف اور واضح ہوتی چلی گئی۔ دھنک کی ساری غلط فہمیاں ایک ایک کر کے دور ہوتی گئیں۔

"مجھ بیٹی اب تو کسی نواب کی بیگم نے پھانس رکھا ہے۔ فون پر فون آتے ہیں۔ بہانے بہانے بھی گھر جاتی ہے۔ کبھی خود چلی آتی ہے"۔

دھنک دھیرے سے مسکرا دی۔

"اے بیٹی تم مسکرا رہی ہو۔ میں تو کہتی ہوں مار ڈالوں اس کمبخت کو بھی"۔ وہ پھر سے جلال میں آگئیں۔

"تو منع کر دیں فون نہ جایا کریں۔ اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ تو انکی پر مرضی ہے نا"۔

انکی مرضی پر تم ہو صرف تم۔ اگر تم نے اسے سنبھالا نہ دیا تو وہ بکھر جائیگا اتنا میں بتا دوں"۔

ایک بار پھر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ اسے شاید دوبارہ نمبر ملانے آلیا تھا۔ نقاہت سے آنکھیں موندتے ہوئے سر دونوں سے ٹیک دیا۔

"چلو بیٹی تمہیں پہنچا آؤں۔ تھک گئی ہو"۔ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"ہاں ماما چلوں گی اب۔ شاید پھر سے بخار چڑھنے لگا ہے"۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

ماما نے اسے قریب ہی اسکے گھر چھوڑا۔ اور خود کچھ مطمئن مطمئن سی خوش خوش چل دیں۔

گرم گرم دودھ میں اوولٹین ڈال کر اس نے پیا۔ اپنی دوائیاں لیں اور بستر میں گھس گئی۔

سونے کی کوشش کی مگر نیند کہاں؟

ماما کی باتیں ایک ایک کر کے اسکے ذہن میں گونجتی رہیں۔

'بیٹی۔ فخر عالم بہت اکیلا ہے۔ اسے اپنا لو۔ اسکے دکھ بانٹ لو۔

'اگر تم نے اسے سنبھالا نہ دیا تو وہ بکھر جائیگا اتنا میں بتا دوں'۔

پھر چند روز قبل بینک پر فخر عالم کا وہاں سے گزرنا یاد آیا۔

اسے دیکھ کر جیسے وہ بے قرار سا ہوا تھا۔ پرکشش چہرے پر سائے سے لہرائے تھے۔ تشنہ سی آنکھیں گھائل سی تکنے لگی تھیں۔ اور پھر ـــ

جیسے بے قراری کی جگہ غصہ نے لے لی تھی، پرکشش سایوں کی جگہ بیزاری نظر آنے لگی تھی اور گھائل آنکھوں میں وحشت جھانکنے لگی تھی۔

اس نے تب بھی اندازہ لگایا تھا جیسے وہ اب بھی اسے چاہتا تھا مگر حالات پر قابو نہ ہونے کی وجہ سے اس پر غصہ آرہا تھا، بہت زیادہ!

وہ ہولے سے مسکرا دی۔

شام کی چائے کے بعد وہ تیار ہوئی۔ آف وائیٹ پر چھوٹے چھوٹے سبز پھولوں والے کپڑے پہنے۔ آف وائیٹ خوبصورت ملائی سویٹر اور اسی کے ہمرنگ لیدر کے شوز پہنے۔ لائیٹ براؤن خوبصورت بالوں پر برش کیا۔ کپڑوں پر اپنا پسندیدہ کلون سپرے کیا۔ اور باہر نکل آئی۔

سب برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

"آج آپ لوگوں کا کہیں جانے کا کوئی پروگرام نہیں؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔ وہ تینوں

کا پل آج بھی پرکشش دکھائی دے رہا تھا اور ۔۔۔ جھونپڑا نما محل میں سے چھن چھن کر آتی مدھم روشنیاں آج بھی پراسرار لگ رہی تھیں!

پاس پہنچ کر وہ رک گئی۔ اردگرد دیکھنے لگی۔

تبھی ۔۔۔ ایک طرف سے ماما آ گئیں۔

"تم آ گئیں بیٹا"۔ ماما خوش ہوتے ہوئے بولیں۔

"ہاں ماما"۔

"اندر آؤ۔ فخر عالم اپنے بیڈروم میں ہے"۔

"جی"۔

وہ ماما کیساتھ ہو لی۔

"میں نے اسے تمہارے بارے میں سب بتا دیا ہے"۔ ماما چلتے چلتے بولیں۔

وہ خاموشی سے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔

بڑے سے ہال میں سے ہوتیں وہ دونوں خوبصورت کارپٹڈ سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔

فخر عالم کے بیڈروم تک لیجا کر ماما واپس مڑنے لگیں۔

"ماما..." دھنک پہلی بار جھجک سی رہی تھی۔

"جاؤ بیٹی جاؤ"۔ ماما آہستہ سے بولیں اور ۔۔۔

سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔

دھنک نے دروازے پر ہولے سے دستک دی۔

"یس"۔

وہ دھڑکتے دل کیساتھ اندر داخل ہوئی۔

Luxurious اور آرام دہ کمرے میں Love seat پر بیٹھا فخر عالم کوئی کتاب پڑھنے میں منہمک تھا۔

آہٹ پر چونکتے ہوئے اس نے کتاب آگے سے ہٹائی۔

جو بہت اطمینان سے بیٹھے تھے۔

"ہاں بیٹے۔ اس وقت ہمت نہیں ہے"۔ امی بولیں۔ "تمہیں بھی تو بخار تھا..."

"اس وقت نہیں ہے امی"۔ اس نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ کہ امی اسے بخار میں ہرگز باہر جانے نہ دیتیں۔

"امی میں ذرا اپنی ایک دوست کے پاس جاؤں گی۔ یہیں پاس ہی رہتی ہے"۔ اگر وہ چند میل کا ذکر کرتی تو پھر بھی وہ جانے نہ دیتیں۔

"ہو آؤ بیٹا۔ طبیعت بہل جائے گی مگر... تمہارا بخار ابھی ٹوٹا نہیں ہے..." وہ اسکے کمزور سے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے متذبذب سی بولیں۔

"امی کل واپس جاؤں گی۔ تو ڈاکٹر کو دکھا دوں گی۔ اس وقت میرا جانا ضروری ہے۔ پلیز امی!" وہ امی کے پاس ہی کھڑی تھی۔ محبت سے اسکے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"جاؤ بیٹا۔ مگر جلدی آنے کی کوشش کرنا مجھے فکر لگی رہے گی"۔

"کوشش ضرور کروں گی امی۔ لیکن... اگر دیر ہو گئی تو فکر کرنے کی ضرورت نہیں..."

دیر تو ہونا ہی تھی۔ بس سے جانا۔ کچھ دیر وہاں رہنا اور پھر واپسی!

بس سے اترتے ہوئے وہ شورٹ کٹ پر ہو لی۔

جلدی ہی اس جگہ پہنچ گئی۔ جہاں دریا کی چوڑائی کم اور بڑے بڑے پتھر ہوتے تھے۔

اور جہاں سے وہ پہلے بھی یہی دریا کراس کر چکی تھی۔

شام خیال ہو رہی تھی۔ اونچے اونچے سر بفلک پائینز میں ڈھیر سارے سفید بادل آنکھ مچولی کھیل رہے تھے اور جنگل کے بیچ میں سے گزرتی بل کھاتی جنگل روڈ کے دونوں طرف ایستادہ ڈوگ وائنس گھیرے گھیر میں راستے کی بمشکل نشاندہی کر رہے تھے۔

وہ آگے ہی آگے بڑھتی گئی۔

چائنیز کیبن کا راز آج بھی جوں کس کھڑے نظر آ رہے تھے۔ گھر کے آگے بنا چھوٹا سا لکڑی

دھنک اب بھی دروازے کے پاس کھڑی تھی۔

ایک لمحہ فخر عالم کی آنکھوں میں قندیلیں سی جل اٹھیں۔ مگر دوسرے ہی پل ناراضگی عود کر آئی۔ کیسے بغیر کچھ بتائے اسے چھوڑ گئی تھی۔ کتنا کتنا پریشان رہا تھا وہ۔

دھنک کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ مانا کہ اس نے غلط کیا تھا مگر اب تو آ گئی تھی نا!

کوئی ریسپانس نہ پا کر دو موتی لڑھک کر اسکے خوبصورت گالوں پر آ رہے۔

اور ـــ اٹھتے ہوئے فخر عالم نے اپنے دونوں بازو وا کر دیئے۔ وہ اسکے آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

تھکی تھکی سی وہ آگے بڑھی۔ فخر عالم نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ سینے سے لگا کر جیسے قرار آنے لگا۔

"کہاں چلی گئی تھیں مجھے چھوڑ کر ہاں۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ میں تمہارے بغیر کیسے رہونگا"۔

اسکے مہکتے بالوں میں چہرہ چھپائے وہ دھیرے دھیرے کہتا گیا۔ "اب میں ایک پل بھی تمہیں اپنے سے الگ نہیں کرونگا۔ چھوڑ جاتی ہو، گم ہو جاتی ہو، چبھتی زہریلی باتیں کرتی ہو...."

دھنک رو رہی تھی۔ ہچکیاں لے لیکر رو رہی تھی۔ بہت دکھ اٹھانے کے بعد آج اسکا کندھا ملا تھا سر رکھنے کو شاید اسلئے۔

"روؤ نہیں پلیز!" اس نے اسکا چہرہ اوپر اٹھایا۔ "اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے"۔ اس نے اسکے آنسو اپنے ہونٹوں پر اٹھا لیئے۔

پھر ــ چونکا۔

"تمہیں تو اب بھی ٹمپریچر ہے۔ آرام کی ضرورت ہے تمہیں"۔

اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر وہ بیڈ کی طرف چلا۔

"یہاں پلیز!" دھنک نے قریب ہی لو سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

وہ مسکرا دیا۔

"بھلا تم آرام سے لیٹ نہیں سکوگی نا"۔ صرف دو بندوں کی تو سیٹ تھی۔

پھر بھی ـــ وہ اسے سیٹ پر لے آیا۔ آہستہ سے لٹا دیا۔ کشن سر کے نیچے دیئے۔ اور کمبل اوڑھا دیا۔

"میں تو خود تمہارے پاس آ رہا تھا۔ مگر تم نے پہل کی ہے مجھے اور بھی اچھا لگا"۔ وہ انٹرکوم کا ریسیور اٹھاتے اٹھاتے خوشگواری سے بولا۔

اس نے کچن میں کوئی آرڈر کی۔ اور واپس آ کر اسکے پہلو میں بیٹھ گیا۔

ایک پل کو اسکی خوبصورت آنکھوں میں جھانکا۔

پتہ نہیں کیا تھا اسکی آنکھوں میں؟ دھنک کی پلکیں جھک گئیں۔ چہرے پر حیا کی لالی بکھر گئی۔

فخر عالم بہت محظوظ ہوا ـــ آج وہ ایک پریس رپورٹر سے عام لڑکی بن گئی تھی!

"بائے دا وے کل تم واپس نہیں جا رہیں"۔ اسے معلوم تھا کل اس نے ڈیوٹی پر جانا تھا۔

"کیوں؟" وہ پھر سب بھول بھال گئی۔ نظریں اٹھا کر اسکی طرف دیکھنے لگی۔

"اسلئے مسیم۔ کہ آج رات میں اور ماما تمہارا ہاتھ مانگنے تمہارے پیرنٹس کے پاس جائینگے۔ کل انشاءاللہ ہمارا نکاح ہوگا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ یہاں لے آؤنگا۔ اور جب تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔ تو ہم ایک شاندار ولیمہ دینگے۔ اور یوں ہماری شادی ہو جائیگی..."

اسکا چہرہ ایک بار پھر سرخ ہو گیا۔

"اور یہ سارا پروگرام آپ نے خود ہی بنا لیا"۔ وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ مجھے کون روک سکتا ہے"۔

"اور... میں..."

معاً دروازے پر دستک ہوئی۔ اور دھنک کی بات ادھوری رہ گئی۔

فخر عالم اسکے پاس سے اٹھتے ہوئے بالکنی کے قریب رکھی چیئر لا کر اسکے نزدیک بیٹھ گیا۔

قیوم کوفی کی ٹرے لئے اندر آ گیا۔ برتن اسکے قریب میز پر رکھے اور واپس چلدیا۔

دھنک اٹھ کر بیٹھ گئی۔

فخر عالم نے اسے سینڈوچز آفر کیے۔ پھر اس کیلئے کوفی بنانے لگا۔
"میں نے اس سے پہلے کبھی کسی لڑکی کیلئے کوفی نہیں بنائی۔ آج تمہارے لئے بنا رہا ہوں..."
"چھوڑیں نا۔ بیگم جہانگیر کیلئے تو بنائی ہوگی"۔ دھنک نے لطیف چوٹ کی۔
وہ زور سے ہنس دیا۔
"میں لڑکی کی بات کر رہا ہوں"۔ وہ بات چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔
دھنک کے حسین چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔
"اسکا مطلب ہے بیگم جہانگیر کیلئے بناتے رہے ہیں"۔
"آں... Never ever۔ وہ میرے لئے بناتی تھیں البتہ"۔
دھنک کو یہ بھی اچھا نہیں لگا۔ چپ سی رہ گئی۔
فخر عالم نے کپ اسکے آگے رکھا۔ پھر اپنے لئے کوفی بنائی۔ اور کڑوی بلیک کوفی کے گرم گرم گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔
"بائے داوے تمہیں انکے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟"
"انکے یہاں ڈنر پر... پھر پینٹنگز کی نمائش پر... پریس والے کہہ رہے تھے"۔ اس نے پریس پر زور دیتے ہوئے کہا۔ آصف پریس ہی سے تو تھا۔
"اوہو"۔
"اوہ یس"۔
"اب کیا ہوگا؟" اس نے اپنے اوپر مصنوعی گھبراہٹ طاری کر لی۔
اور دھنک کھلکھلا کر ہنس دی۔
"بہت اچھی کوفی بناتی ہیں ویسے... بیگم جہانگیر..." فخر عالم نے ایکبار پھر اسے چھیڑا۔
مسکراتی دھنک خاموش ہوگئی۔

"تمہیں کیا ہوا؟" وہ جان بوجھ کر پوچھنے لگا۔
"کچھ نہیں۔ اور میں نے آپ سے شادی نہیں کرنی"۔
"ک... کیوں؟"
"آج آپکی بیگم جہانگیر ہیں۔ کل کوئی اور ہوگی..." اسکے لہجے میں شکوہ تھا، شکایت تھی۔
"میری آج بھی تم ہو اور کل بھی تم ہوگی۔ بیگم جہانگیر کہاں سے آگئیں"۔
"آپ لائے ہیں۔ مجھے کیا پتہ"۔
"Let's don't discuss her. بلکہ آج کسی اور کی بات نہیں ہوگی۔ صرف میری اور تمہاری بات ہوگی۔ ٹھیک"۔
"ہاں"۔ دھنک نے معصومیت سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ "آئندہ بھی صرف میری اور آپکی بات ہوگی۔ کسی اور کی نہیں ہوگی"۔
"آئندہ کی تو میں گارنٹی نہیں دے سکتا..."
"کیا؟" وہ تیز ہونے لگی۔
"بھئی آئندہ ہم اپنے بچوں کی تو باتیں کرینگے نا۔ میں کیسے وعدہ کروں کہ آئندہ بھی صرف میری اور تمہاری بات ہوگی"۔
اسکا چہرہ کانوں کی لوؤں تک سرخ ہوگیا۔
دھنک نے کوفی کا آخری گھونٹ لیا۔ اپنا کپ میز پر رکھا۔
"اب میں چلوں گی۔ پہنچتے پہنچتے بہت دیر ہو جائیگی"۔
"ہاں۔ اس وقت میں تمہیں اور نہیں روکوں گا۔ کیونکہ تمہارے گھر میں کوئی اطلاع نہیں
لیکن انتظار کر جاؤ کہ میں اور ماما بھی تیار ہو کر تمہارے ساتھ چلیں۔ تمہیں چھوڑنے بھی جانا
ہے۔ اور تمہیں ہمیشہ کیلئے ساتھ لانے کی بات بھی کرنی ہے تمہارے پیرنٹس سے..."
"آج ہی کر لیں گے بات"۔ دھنک جھجک سی رہی تھی۔ اکٹھے جانے سے کہیں امی ابو
سمجھ نہ جاتے سب۔

"Don't you worry." ہم تمہیں گھر سے کچھ فاصلے پر ڈراپ کر دینگے۔ جب تم گھر کے اندر چلی جاؤ گی تو ہم بھی آ جائینگے..." وہ بہت سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے"۔ وہ مطمئن ہو کر بولی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے"۔ فخر عالم نے اسکی کاپی کی۔ "یہ کوئی بچوں کی Hide and seek گیم تو نہیں ہے کہ پہلے تم اندر جاؤ پھر ہم آ جائینگے۔ سیدھے سیدھے ایک ساتھ چلیں گے۔ رات ہے اندھیرا ہے۔ ہاں تم اپنا میرے پاس آنا چھپانا چاہو وہ الگ بات ہے۔ وہ تم خود سوچ کر کیا کہو گی۔ تب تک میں تیار ہو کر آتا ہوں"۔

اسے وہیں چھوڑ کر وہ اپنے ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔

اور وہ واقعی سوچنے لگی۔ وہ کہے گی۔ کہ وہ واپس آ کر بس سے اتری تو یہ لوگ اس طرف آتے ہوئے راستے میں مل گئے۔ اور اسے لفٹ دیدی۔

تھوڑی ہی دیر میں فخر عالم تیار ہو کر آ گیا۔ سیاہ قیمتی سوٹ میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح Stunning لگ رہا تھا۔

اس نے وہیں سے ماما کو بھی تیار ہونے کا کہہ دیا۔ خود آ کر دھنک کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔

ایک لمحے کو اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

"ہائے واوے مس! تمہارا یہاں نزول کیسے ہوا؟ کہاں سے آئیں؟ کس سلسلے میں آئیں؟" وہ اپنی بہت پہلے کی بات دہراتے ہوئے مسکرا مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

وہ ہنس دی۔ خوبصورتی سے۔

"بڑی جلدی خیال آیا"۔ اس نے بھی اپنا پرانا ہی جواب دہرایا۔

"چلو دیر سے ہی سہی تو دو۔ کیوں آئی تھیں؟ کیسے آئی تھیں..." اسکی آنکھوں میں اس وقت بھی شوخ سی چمک تھی جیسے یہی بات کہتے ہوئے بہت پہلے تھی۔

وہ مسکرا دی۔ ایک پل کو کچھ سوچا۔

"آپکا انٹرویو لینا تھا سر!"

اور ـــــ فخر عالم کا جاندار قہقہہ بلند ہوا۔

"Yes, but no details. Just three words..."

"کیا؟"

"Fakhr e Alam —The murderer, the drunkard and the ultimate womaniser." مسکرا مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

اور ـــــ دھنک کو بہت پہلے ایڈیٹر اشفاق کو فخر عالم کے ہی گھر سے لکھا اپنا خط یاد آ گیا۔

یہی سب تو لکھا تھا اس نے اس میں۔

وہ خفیف سی نظر آنے لگی۔

"آپ... معاف نہیں کر سکتے مجھے"۔

"معافی کیسی۔ یہی سب کرتے ہوئے تو تم مجھے اچھی لگنے لگی تھیں"۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے اسے اپنے پہلو سے لگا لیا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کتنا اچھا تھا وہ!

"اور ہاں"۔ اس نے اسکے چہرے پر گھر آئی بالوں کی لٹ آہستہ سے انگلی سے پیچھے ہٹائی۔ "مگر یہ انٹرویو میگزین کیلئے تمہاری آخری اسائنمنٹ ہوگی۔ اب میں تمہیں ایک پل کو بھی اپنے سے الگ نہیں کرونگا۔ سمجھیں..."

"جی"۔ اس نے سر آہستہ سے اثبات میں ہلا دیا۔

اور چند ہی روز بعد چیف ایڈیٹر اشفاق اور آصف آفس میں بیٹھے اپنے اپنے ویڈنگ کارڈ وصول کر کے مسکرا رہے تھے۔

اشفاق صاحب کے نام ایک الگ رجسٹری بھی تھی۔ اس میں حفاظت سے تہہ کئے چند اوراق کیساتھ دھنک کا ایک مختصر سا خط بھی تھا!

"ہاں! میں نے کہا تھا مسز نور عالم کا انٹرویو میں کروں گی۔ سو حاضر خدمت ہے۔ آپ سن کر یقیناً خوش ہو گئے۔ میں نے آپکا کہا مان لیا۔ بقول آپکے اپنا گھر بسا لیا اور جان جوکھوں کے کام چھوڑ دیے۔ دھنک"۔

○ "آپ... آپ... آپ... مجھ سے شادی کریں گے؟"

وہ اپنے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں سے نکل کر تنگ سی گیلری وے میں سے گزر رہا تھا کہ ایک لڑکی نے روک لیا۔

"کیا؟" وہ جیسے اچھل کر رہ گیا!

○ کاروان کیا تھا۔ ایک چلتا پھرتا حسین آرام دہ سنگل بیڈ اپارٹمنٹ تھا!

○ "آپ نماز بھی پڑھتے ہیں اور کئی گرل فرینڈز بھی پالتے ہیں..."

"In namaz, I bow before my Creator. And in a girl friend—I admire His creation."

○ وہ لوگ چلتے ہی چلے گئے۔ قصبے اور شہر آتے اور پیچھے رہ جاتے۔ کمران کا سفر جاری تھا۔ شیر شاہ کاروان ڈرائیو کرتا سڑک پر نظریں جمائے تھا۔ پسنجر سیٹ پر بیٹھا اسد اس سے گپ شپ کر رہا تھا۔ تبھی دونوں کو کوفی کی طلب ہوئی۔

"لیلیٰ پلیز! ہمارے لئے کوفی بناؤ"۔ اسد نے رخ پیچھے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

لیلیٰ نے مختصر سے خوبصورت کچن میں کوفی بنائی۔ پیپر کپس میں ڈالی۔ چھوٹی سی ٹرے میں کپس ساتھ میں سینڈوچز رکھے اور فرنٹ سیٹس کی طرف چلی آئی۔

○ "This is the city of the richest celebrities." شیر شاہ نے اسد سے کہا۔

○ "ویسے فلرٹ کرنا اچھا نہیں ہوتا"۔ لیلیٰ بولی۔

"کون کافر فلرٹ کرتا ہے"۔

"تو پھر ایک وقت میں تین تین کیسے ہوتی ہیں؟"

"مجھے تینوں اچھی لگتی ہیں"۔

○ بے حد مؤدب ویٹرز دھیمی سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔ جیسے کلوپیٹرا یہیں کہیں محو خواب تھی اور اسکے جاگ جانے کا اندیشہ تھا۔ آرڈر یوں لے رہے تھے گویا حکم عدولی ہوئی تو جان سے جائیں گے!

اُسکا گھر آمنہ اقبال احمد کی منفرد طرز تحریر میں ایک اور خوبصورت اضافہ ہے۔

- دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھوڑے پر سوار ہوا، اسے ایڑ لگائی، تیزی سے مختصری چڑھائی طے کی اور اس پار اترتے اترتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
وہ اسے کسی دیو مالائی کہانی کا شہزادہ لگا۔ خوبصورت، بے خوف اور بہادر!
- مگر... وہ شاہ تھا باز نہیں تھا۔ اس نے تلخی سے سوچا کہ وہ جی تو رہا تھا مگر آنکھوں میں وہ بے باکی نہ رہی تھی جو کبھی ہوا کرتی تھی اور جو ایک باز کی خصوصیت تھی!
- اس وقت پھر شائی کو محسوس ہوا نادیہ اسے فاتحانہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔ شہباز خان سے ملنا... ایک پر جلال، مختار کل جہاں پناہ سے ملنا! ایک دنیا فتح کرنے کے مترادف ہی تو تھا!
- "آپ میں ہی تو وہ سب کچھ ہے جسکی ایک لڑکی تمنا کر سکتی ہے..."
"No, No, Please!" وہ اچانک ہسٹیرک انداز میں کہنے لگا۔ "میں وہ نہیں جو نظر آتا ہے۔ تم... کچھ نہیں جانتیں میرے بارے میں..."
- نادیہ کو سویٹ پر چھوڑتے چھوڑتے وہ ایک بار پھر چونکا۔
بتیاں تو سب روشن تھیں، یہ سویٹ آج اتنا بے رونق کیوں تھا؟
دنوں بعد ایک موہوم سی مسکراہٹ اسکے لبوں کو چھو گئی۔ پروین کے نقوش ہوٹیل پر خاصے گہرے تھے!

آمنہ اقبال احمد اپنی مخصوص طرز تحریر میں ایک اور ناول **پروین** پیش کرتی ہیں۔